ہفت روزہ
نداءِ خلافت
لاہور
۱۳/ دسمبر ۱۹۹۴ء

☆ لندن میں اذانِ خلافت---- دوسری اور آخری قسط
☆ سقوطِ ڈھاکہ : کیا تاریخ خود کو پھر سے دہرائے گی؟
☆ کراچی کا منظر باہر سے کیسا نظر آتا ہے !

<u>حدیثِ امروز</u>

سُوئے مادر آ کہ تیمارت کند

وطنِ عزیز میں ان دنوں کیا ہو رہا ہے؟۔ سیاست کس رنگ میں رنگی گئی' معیشت کون سی سمت میں چوکڑیاں بھر رہی ہے' فرقہ واریت کس خوفناک روپ میں ظاہر ہونے لگی' امن دامان کی صورت حال کتنی بھیانک ہو گئی' افراتفری نے ہر شعبۂ زندگی میں کیسے نظم و ضبط کی جگہ لے لی' رشوت اور بدعنوانی کی ہمہ اقسام کیونکر فروغ پذیر ہیں' دین و مذہب سے ہمارا فاصلہ کس تیزی سے بڑھ رہا ہے اور اخلاق و کردار کے بحران میں کتنی شدت آتی جا رہی ہے---- پھر اہم ترین بات یہ کہ ان سب مظاہر کا آپس میں کیا رشتہ ہے' ان میں کس بلا کا توازن و تناسب پایا جاتا ہے اور اپنے یہ لچھن ہمیں کہاں پہنچا کر چھوڑیں گے؟ بظاہر تو یہ "اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا" اور ہمارے اخبارات میں بکثرت شائع ہونے والے تجزیوں' تبصروں' تنقیدوں اور تعریف و توصیف کے ڈونگروں نے اسے سلجھانے کے بجائے کچھ زیادہ ہی الجھا دیا ہے جن میں دُور کی کوڑیاں تو لائی جاتی ہیں لیکن ڈوری کا کوئی سرا ہاتھ میں دیا نہیں جاتا کیونکہ سامنے کی چیز دیکھنے سے انکار ہے' نوشتۂ دیوار پڑھنے سے پرہیز ہے۔

اس بے مقصد مشقِ سخن کے جاری رہنے کا اصل سبب یہ ہے کہ پاکستان کو کرۂ ارضی پر موجود سینکڑوں دوسرے چھوٹے بڑے ملکوں کی طرح کا ایک ملک سمجھ لیا گیا ہے۔ اس قوم کو بھی دیگر اقوامِ عالم پر قیاس کیا جا رہا ہے جو اپنی ترکیب میں خاص ہے۔ کتابِ ملتِ بیضا کی شیرازہ بندی بھی انہی طریقوں سے کرنے کی ناکام کوشش میں گزشتہ نصف صدی ہلکان ہوتے گزاری گئی جو کسی بھی دوسری ملت نے آزما کر دیکھے ہوں۔ اور آج تک ہم پر حکومت کرنے والے سبھی دانا و بینا افراد یا گروہ کسی تخصیص کے بغیر' اسی نادانی میں مبتلا پائے گئے۔ پھر حکمرانوں کو تو کسی رعایت کا مستحق سمجھا بھی جا سکتا ہے کہ وزیر و مشیر' مصاحب اور دربار کے نورتن انہیں یوں گھیرے میں لئے رہتے ہیں کہ ناک سے پرے دیکھ سکنے کے قابل نہیں چھوڑتے' ہماری تو سیاسی جماعتیں بلکہ دینی و مذہبی تنظیمیں تک بھی بدقسمتی سے اس نظر سے عاری ہیں جو شے کی حقیقت کو سمجھ سکے۔ غرض "ہم ہوئے' تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے۔ اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے"۔ ستم بالائے ستم یہ کہ پاکستان کو ایک نظریاتی ریاست کہتے تو زبانیں سوکھتی ہیں لیکن اس شجرۂ طیبہ میں پیوند لگانے کو شاخیں کوئی کوریا سے لاتا ہے' کوئی جاپان سے' کوئی پیرس سے اور کوئی سنگاپور سے۔ نیم حکیم خطرۂ جان' نتیجہ یہ ہے کہ ملک و قوم بھی اب نیم جان ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ اس عالم میں بھی کہیں سے یہ صدا اٹھتی سنائی دے کہ "دستِ ہر نااہل بیمارت کند' سوئے مادر آ کہ تیمارت کند" تو اس پر کوئی کان دھرنے کا روادار نہیں۔

حکمرانوں کو تو کچھ سیکھنے سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں' دانشوروں اور صحافیوں کو بھی کون سمجھائے کہ بندگانِ خدا ! اپنے درد کا مداوا غم خانۂ مغرب میں نہ تلاش کرو' گردشِ ایام کو پیچھے کی طرف لوٹا کر دیکھو۔ ٹیکنالوجی کے لئے تو ضرور ہم انہی اقوام کے محتاج ہیں جنہوں نے منصبِ سیادت سے ہمارے مستعفی ہو جانے کے بعد دنیا کی علمی امامت سنبھالی لیکن باوقار قوموں کی طرح زندہ رہنے کا سلیقہ ہمیں اپنے شاندار ماضی سے ہی سیکھنا ہو گا جس سے خود یورپ نے جینے کا قرینہ مستعار لیا تھا۔ پھر ابدی ہدایت کا وہ نسخۂ کیمیا بھی تو ہمارے پاس ہے' اس سے رہنمائی کیوں نہیں لیتے؟ ہماری زبوں حالی کا سبب کیا صرف یہی نہیں کہ "اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر"---○○

قیمت : ۶ روپے

الھدیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب لوگ ایک ہی امت تھے، پھر اللہ نے نبی بھیجے جو خوشخبری سناتے اور خبردار کرتے ہوئے آئے،

(کہ ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے، سب امت واحدہ تھے۔ تاریخ انسانی کا آغاز شرک اور کفر کے اندھیرے میں نہیں بلکہ توحید اور ایمان کی روشنی میں ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جس انسان کو سب سے پہلے پیدا کیا اور جسے خلافت ارضی عطا فرمائی اسے خلعت نبوت سے بھی سرفراز فرمایا۔ آدمؑ پہلے انسان ہی نہیں پہلے نبی بھی تھے۔ اس کے بعد ایک طویل عرصے تک نسل آدمی ایک امت کی صورت میں راہ راست پر گامزن رہی۔ اس کے بعد جب لوگوں نے شیطان کے بہکاوے میں آکر اور نفس پرستی میں مبتلا ہو کر اللہ کے دین میں بگاڑ پیدا کیا اور انبیاء کے بتائے ہوئے راستے کے مخالف راستے نکالنے کی کوشش کی تو اللہ نے اپنے نبی بھیجے جو راہ حق میں چلنے والوں کو خوشخبری سناتے اور ضلالت کی راہ اختیار کرنے والوں اللہ کے عذاب سے خبردار کرتے ہوئے آئے۔ اس طرح ایک نبی کے بعد دوسرا نبی مبعوث ہوتا رہا)

سورۃ البقرہ
(آیت ۲۱۳)

اور ان کے ساتھ کتاب بھیجی حق کے ساتھ، تاکہ وہ فیصلہ کرے لوگوں کے درمیان ان باتوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے ہوں

(اللہ نے اپنے پیغمبروں کو کتابیں بھی عطا فرمائیں۔ یہ کتابیں قول فیصل بن کر نازل ہوئیں تاکہ ان تمام نزاعات و اختلافات کا جو دین حق میں پیدا کر دیئے گئے تھے، فیصلہ کر کے حق کو از سر نو اجاگر کر دیا جائے)

اور اس میں اختلاف نہیں کیا مگر ان ہی لوگوں نے جنہیں یہ دی گئی تھی، بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح ہدایات پہنچ چکی تھیں، محض آپس کی ضد کے باعث،

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

(کہ ہر بار نبی کی بعثت اور کتاب کے نزول کے بعد کچھ عرصے تک لوگ جادۂ حق پر قائم رہتے لیکن کچھ مدت بعد پھر ان میں اختلاف اور بگاڑ پیدا ہونے لگتا، لیکن اس بگاڑ اور اختلاف کا سبب ہرگز یہ نہیں تھا کہ لوگوں تک انبیاء کی تعلیمات ٹھیک طور سے نہیں پہنچ سکی تھیں اور ان پر راہ حق واضح نہیں تھی بلکہ یہ تفرقہ و اختلاف محض آپس کی ضدم ضدا کے باعث تھا۔ فتنہ پرور لوگ اپنی چودھراہٹ جمانے کے لئے دین میں الگ راستہ نکالتے اور پھر ہر فرقہ اور گروہ اپنی برتری ثابت کرنے اور دوسروں کو نیچا دکھانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا اور اس طرح دین میں بگاڑ اور انتشار کا راستہ کھل جاتا۔)

پس اللہ نے اہل ایمان کی، اپنے اذن سے، اس حق کے معاملے میں راہنمائی فرمادی جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا اور اللہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے ○

(کہ اہل کتاب نے بھی اس باہمی ضدم ضدا کے باعث اللہ کے دین کو اختلافات و نزاعات کی آماجگاہ بنا رکھا تھا۔ اب اللہ نے اپنی توفیق خاص سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کے لئے اس نزاع و اختلاف میں حق کی راہ اس قرآن کے ذریعے کھول دی ہے جو قول فیصل بن کر نازل ہوا ہے۔ اس کے ذریعے حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت ہو جائے گا۔ راہ ہدایت پر کسی ایک نسل کی یا کسی خاص طبقے کی اجارہ داری نہیں ہے۔ اللہ اپنی مشیت مطلقہ اور حکمت کاملہ کے مطابق جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے)

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

۱۳/ دسمبر ۱۹۹۴ء جلد ۳
شمارہ ۴۸ ۱۳/ دسمبر ۱۹۹۴ء

23

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تحریکِ خلافت پاکستان
۴ اے مزنگ روڈ ۔ لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶ ۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: -/۶ روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) -/۱۲۵ روپے

زرتعاون برائے بیرون پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۲ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۰ ،، ،،
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۶ ،، ،،
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۲۰ ،، ،،

ایک تشویش ناک سانحہ

مدیر تکبیر جناب محمد صلاح الدین کو گزشتہ شب گولیوں سے چھلنی کر کے موت کی نیند سلا دیا گیا۔ یہ اطلاع ہمیں عین اس وقت ملی ہے جب پرچہ پریس کو روانہ ہو رہا تھا۔ یہ دلخراش سانحہ تشویش ناک بھی ہے۔ کراچی میں انسان کیڑے مکوڑوں کی طرح مسلے اور پرندوں کی طرح شکار کئے جاتے ہیں اور کسی قاتل پر آج تک گرفت نہیں ہوئی لہذا وزیرِ اعظم بے نظیر بھٹو کا یہ حکم کہ قاتلوں کو فوراً گرفتار کیا جائے' خانہ پُری کے ہی کام آئے گا۔ اس قتل نے کراچی کی سیاسی قتل و غارت گری میں ایک نئی جہت کا اضافہ کر دیا ہے اور یہ بات چل نکلی تو نہ جانے کہاں تک پہنچے۔ جناب محمد صلاح الدین کی انتہا پسندی ہمیں بھی پسند نہ تھی تاہم ملکی صحافت میں ان کے مقام و مرتبہ کو ہم نے ہمیشہ تسلیم کیا ہے۔ ان سے اگر کوئی بے اعتدالی سرزد ہوئی تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے۔ ویسے بھی ایک مظلومانہ موت ان کے لئے بہت بڑا توشۂ آخرت بنے گی۔ محمد صلاح الدین پیپلز پارٹی اور موجودہ حکومت کے بدترین ناقدین میں شمار کئے جاتے تھے لہذا ان کے قاتلوں کی تلاش میں لوگوں کی نگاہیں خود حکومت میں شامل لوگوں کی طرف اٹھیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ بنابریں یہ لازم ہو گیا ہے کہ حکومت ان کے قاتل یا قاتلوں کو تلاش کر کے منظرِ عام پر لائے اور ان کے جرم کو کماحقہ ثابت بھی کرے۔

ہم مدیر تکبیر کے خاندان اور ان کے رفقاء کار کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور انہیں صبر و ثبات کی تلقین کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی انہیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

سخن سے شوم بھلا جو ترت دے جواب

پاکستان ٹیلی ویژن کے بعض پروگراموں پر آئے دن کی داستانِ کل کل کا قصہ ہمارے بے نظیر و لائق وزیر اطلاعات جناب خالد احمد کھرل نے کوتاہ کر ہی دیا۔ "وعظ میں فرما دیا کل آپ نے یہ صاف صاف" کہ ٹی وی پر ناچ گانا ملک کی آبادی کا "ایک طبقہ" پسند کرتا ہے لہذا یہ موثر ترین قومی ذریعۂ ابلاغ ان کی ضرورت کو پورا کرنے کی غرض سے اس نوع کے جملہ تفریحی پروگرام بدستور جاری رکھے گا۔ جن لوگوں کو یہ ناگوار گزرتے ہیں' وہ اپنے ٹی وی سیٹ بند رکھیں۔ ظاہر ہے کہ مسئلہ کا اس سے سادہ اور آسان حل تو کوئی لال بجھکڑ بھی پیش نہیں کر سکتا تھا۔

ہمارے ذرائع ابلاغ نے آزاد روی اور عریانی و فحاشی کی جو منزلیں اب تک سر کرلی ہیں ان کی جانب سفر کا آغاز انہی دنوں نہیں ہوا' بہت پہلے سے جاری ہے اور یہ گویا "نصف صدی کا قصہ ہے' دو چار برس کی بات نہیں"۔ ٹی وی نے تو حال ہی میں اپنی ۳۰ ویں سالگرہ منائی ہے جس پر اس پورے عرصے میں حکومت ہی کا اختیار چلا' اپنے اخبارات کی چال ڈھال دیکھ لیجئے۔ کیا انہیں بھی وقت کی حکومتوں نے ہی اس راہ پر ڈالا جس پر ایک دوسرے سے مسابقت کے جذبے کے ساتھ وہ بگٹٹ دوڑ رہے ہیں اور اللہ ہی جانے کہاں جا کر دم لیں گے۔

ٹی وی کی سکرین میں تو سینما سے جو مشابہت پائی جاتی ہے' اسی میں ایک فتنہ مضمر ہے۔ وی سی آر گھروں کی "ضرورت" بن گیا تو یہ کریلا نیم چڑھا ہو گیا اور ہر گھر میں گھس بیٹھنے کی آزادی سے ان دونوں نے جی بھر کے فائدہ اٹھا کر قیامت ہی ڈھا دی ہے۔ رہی سہی کسر خیر سے اب "ڈش انٹینا" نے پوری کر دی چنانچہ اس فتنے پر غالب کا یہ شعر پوری طرح صادق آنے لگا ہے کہ "ترے سروِ قامت سے اک قدِ آدم' قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں"۔ ٹی وی کی تباہ کاریاں مسلسل بڑھتی ہی چلی گئی ہیں۔ اسلامی مارشل لاء کے دور میں ہمارے نمازی و پرہیزگار حکمران نے بقول خود اسے قبلہ رُو کر دیا تھا یہاں تک کہ چشم بددور' طارق عزیز صاحب کو انہوں نے اپنی زبانِ مبارک سے مبلغِ اسلام قرار دیا اور دوپٹے کا "التزام" سر نہ لینے پر محترمہ مہتاب راشدی جیسی مایۂ ناز "کمپیئر" پی ٹی وی کو داغِ مفارقت دے گئیں جس کا صدمہ "اسلامی جوش و جذبہ" کے ساتھ برداشت کیا گیا لیکن یہ واقعہ بھی تاریخ کا حصہ ہے کہ ٹی وی پر ہفتہ وار اردو پنجابی فلموں کی نمائش کا سلسلہ بھی مرحوم ضیاء الحق کے زمانے میں ہی شروع ہوا تھا۔ مادر پدر آزادی کی طرف ٹی وی کا سفر اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

لندن میں اذانِ خلافت

نظامِ خلافت کیسے قائم ہو گا؟

(دوسری اور آخری قسط)

ایک اللہ پر ایمان رکھنے والے لوگوں کو تو خلافت کا قائل ہونا چاہئے

امیرِ تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا لندن کی بین الاقوامی مسلم خلافت کانفرنس سے خطاب

طریق کار کا معاملہ بہت اہم ہے۔ کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے بہت سے دینی بھائی جو سچے اور مخلص ہیں' اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔ ہمیں ان کے اخلاص کے بارے میں ہرگز شبہ نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص جیل جانے کو تیار ہے اور جان دینے پر آمادہ ہے تو ہم کیسے اس کے اخلاص کے بارے میں شک کر سکتے ہیں۔ لیکن صرف اخلاص ہی سے کامیابی نہیں مل سکتی۔ اخلاص کے ساتھ ساتھ صحیح طریق کار اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔ جب تک یہ جدوجہد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے عین مطابق نہ ہو' گویا جب تک یہ دونوں چیزیں جمع نہ ہوں جائیں ہم کبھی بھی نظام خلافت قائم نہ کر سکیں گے۔ اس کے لئے ہمیں سیرت النبیؐ کا گہرا مطالعہ کرنا ہو گا اور اس سے ہمیں راہنمائی حاصل کرنا ہو گی کہ یہ نظام دوبارہ کیسے قائم ہو سکتا ہے۔ ہم مغربی دنیا کو ڈنکے کی چوٹ یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ ہاں' ہم بنیاد پرست ہیں' ہم کسی صورت اسلام کے بنیادی اصولوں پر کبھی بھی کسی قسم کی سودے بازی یا کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ ہم دین کے ان بنیادی اصولوں پر پورے طور پر قائم رہیں گے' لیکن ہم دہشت گرد نہیں ہیں۔ ہم دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اپنے دلائل لاتے ہیں تم اپنے دلائل لاؤ' اگر تم سچے ہو۔ ہم اپنا نقطۂ نظر ثابت کریں گے کہ صرف اور صرف ایک ہی عالمی نظام ہے جو سب کے لئے قابل عمل ہو سکتا ہے اور وہ ہے ---- عدل اجتماعی کا وہ نظام جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کے ذریعے دیا ہے۔ ایک ایسا نظام جو ہر اعتبار سے عدل و انصاف پر مبنی ہو' صرف اللہ تعالیٰ ہی ہمیں عطا کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ سب کا خالق ہے' وہ سب سے محبت کرتا ہے اور وہی سب کے ساتھ انصاف کر سکتا ہے۔ کیونکہ سرمایہ دار جب بھی سوچے گا اپنے ہی مفادات کے بارے میں سوچے گا وہ کبھی ایسا نظام نہیں بنا سکتا جس میں مزدور کی خیر خواہی کو ملحوظ رکھا جائے۔ اسی طرح زمیندار جب بھی سوچے گا اپنے ہی مفادات کے بارے میں سوچے گا وہ کبھی بھی کسان کی خیر خواہی کی بات نہیں کرے گا' اسی طرح عورتیں اپنے مسائل کے بارے میں بات کریں گی اور مرد اپنے مسائل کے بارے میں بات کریں گے۔ صرف اور صرف ایک ہی ذات ہے جو سب کے ساتھ یکساں سلوک کر سکتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ جو نظام اور قانون اس نے دیا ہے صرف وہی ہے جو سب کے ساتھ انصاف کی ضمانت دے سکتا ہے۔

اور اب آیئے اس اہم موضوع کی طرف کہ جب ہم نظام خلافت کی بات کرتے ہیں تو ہم کسی خاص طبقے یا گروہ کے لئے نظام خلافت کی بات نہیں کرتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا تمام انسانیت پر عظیم احسان ہے کہ اس نے ہمیں وہ اجتماعی نظام عطا کیا جو پوری نوع انسانی کے لئے عدل و انصاف کا ضامن ہے۔ اور میرے خیال میں یہودیوں' عیسائیوں اور مسلمانوں کو اس بارے میں کوئی شک نہیں ہونا چاہئے' کیونکہ وہ ایک اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ ان کی کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں پر نازل ہوئی تھیں۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی اور اس میں قانون موجود تھا' شریعت' کا مکمل ضابطہ موجود تھا۔ اور عیسائی بھی جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود کہا تھا کہ یہ نہ خیال کرنا کہ میں تورات کے قانون کو ختم کرنے آیا ہوں' یہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ قانون ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وضع کردہ نہیں ہے۔ یہ قانون انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا تھا اور یہی شریعت اور قانون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنے عروج کو پہنچا اور مکمل ہوا۔ سورۃ المائدہ میں وہ آیت موجود ہے: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا"۔ اللہ تعالیٰ نے آج تمہارے لئے شریعت مکمل کر دی ہے۔ اپنی نعمت ہدایت کا تم پر اتمام فرمایا ہے اور دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا ہے۔ اصل میں ہم نوع انسانی کے لئے کام کر رہے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم' تمام بنی نوع انسانوں کے لئے تشریف لائے تھے' آپؐ کی بعثت صرف مسلمانوں کے لئے نہیں تھی۔ اس اعتبار سے یہ نظام خلافت دراصل پوری نوع انسانی کے لئے ہے۔ لیکن یہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ خلافت کی اس تحریک کو شروع کریں کیونکہ وہ اقرار کرتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ وہ قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمانوں سے مخاطب ہیں کہ وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔ جیسا کہ برادر ابو طلحہ نے اپنی تقریر میں اس جانب توجہ دلائی تھی کہ "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس ...." اللہ نے تمہیں بہترین امت قرار دیا ہے۔ تمہارا کام نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اور اللہ تعالیٰ کی واحدانیت پر ایمان رکھنا ہے۔ ہم مسلمانوں سے کہہ رہے ہیں کہ وہ اکٹھے ہو جائیں اور مسلم ممالک میں پرزور تحریک شروع کریں تاکہ نو آبادیاتی نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ اور ہم تمام مسلمان اکٹھے ہونے میں آزاد ہیں۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے جو اس صدی کے بہت بڑے فلسفی شاعر گزرے ہیں' کہا تھا کہ:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

یہ تمام قومیتیں' لسانی گروہ بندی اور قبائل وغیرہ محض شناخت کے لئے ہیں۔ یہ کوئی مستقل تفریق پیدا

کرنے کے لئے نہیں ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم امہ ایک ہو' اور اس کا ایک حکمران ہو' اور سب مل کر اللہ تعالیٰ کے دین کو غالب کریں کیونکہ انسانیت کسی عادلانہ اور منصفانہ عالمی نظام کی تلاش میں ہے اور وہ عالمی نظام صرف ہمارے پاس ہے۔ ہم اس نظام کے محافظ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوع انسانی کے لئے ایک عظیم تحفہ ہے' جو محمدؐ کی وساطت سے ہمیں ملا ہے۔ ہمیں اپنی یہ ذمہ داری پوری کرنی ہے۔ نہ صرف اپنے مفادات کے لئے بلکہ پوری انسانیت کی بھلائی کے لئے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانیت کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا۔

میں ایک بات اور بھی بتاتا چلوں کہ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے کہ جب یہ نظام خلافت دوسری مرتبہ اس زمین پر قائم ہو گا یہ ایک مشترکہ جدوجہد کے ذریعے قائم ہو گا' جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدد بھی شامل ہو گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے تھے۔ وہ زمین پر دوبارہ تشریف لائیں گے اور امت محمدؐ کا ساتھ دیں گے۔ اور اس مرحلے پر تاریخ انسانی کی سب سے بڑی جنگ ہو گی۔ یہ بات عیسائی اور مسلمانوں دونوں کے علم میں ہے۔ آپ بائبل کا آخری باب پڑھ لیں۔ اس میں اس عظیم ترین جنگ کا ذکر موجود ہے جو حق کی طاقتوں اور باطل کی قوتوں کے درمیان ہو گی۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کائنات کی سب سے بڑی جنگ جو لڑی جائے گی وہ حق اور باطل کے درمیان ہو گی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امت محمدؐ دونوں ایک دوسرے کے شانہ بشانہ یہ جنگ باطل کے خلاف لڑیں گے۔ ان باطل طبقات کے خلاف جو تمام انسانیت کا بری طرح استحصال کر رہے ہیں' جو تمام دنیا میں انسانوں کا خون چوس کر دن بدن موٹے ہوتے جا رہے ہیں' امیر' امیر سے امیر تر ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ تمام دنیا کی معیشت کو عالمی مالیاتی ادارے (آئی ایم ایف) اور عالمی بینک کے ذریعہ کنٹرول کر رہے ہیں۔ اصل میں یہ وہ طاقتیں ہیں جو کرۂ ارضی پر شیطان کی آلہ کار ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بشارت دی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو عیسائیت ختم ہو جائے گی۔ مسلمان اور عیسائی ایک ہو جائیں گے اور ایک دین میں بدل جائیں گے۔ (اس لئے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود دین محمدؐ ہی کے پیروکار کے طور پر تشریف لائیں گے تو عیسائیت کا علیحدہ وجود از خود ختم ہو جائے گا اور ان کے سچے متبعین اللہ کے آخری اور کامل دین یعنی اسلام کے دائرے کے اندر داخل ہو جائیں گے) اس اعتبار سے یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ آپ یہ کانفرنس عیسائی دنیا میں منعقد کر رہے ہیں۔

میں اب اپنی گفتگو کے تیسرے مرحلے کی طرف آتا ہوں۔ یعنی یہ کہ یہ نظام خلافت قائم کیسے ہو گا۔ اس کے قیام کے لئے کیا طریق کار اختیار کرنا ہو گا تو سمجھ لیجئے کہ سب سے پہلے لوگوں میں قرآن کے ذریعے حقیقی ایمان پیدا کریں اور ان کے نفس کا تزکیہ کریں اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں ایک جماعت کی شکل دیں اور یہی تینوں کام کرتے چلے جائیں۔ تا آنکہ آپ یہ محسوس کریں کہ اب آپ کی طاقت اچھی خاصی ہو چکی ہے کہ آپ باطل قوتوں کو کھلا چیلنج کر سکیں۔ اس وقت تک تمام مظالم کو صبر کے ساتھ برداشت کرتے رہیں۔ ہر تکلیف کو خندہ پیشانی سے جھیلتے اور استقامت کا مظاہرہ کرتے رہیں۔ کسی قسم کا کوئی بدلہ نہ لیں اور نہ کوئی جوابی کارروائی کریں۔ چیلنج کا مرحلہ اس کے بعد کا ہے۔ پورے تیرہ برس مکے میں یہی صورت حال رہی' لیکن اس کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محسوس کیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ کفار کو للکارا جائے کہ اب مخلص مسلمانوں کی تعداد بھی کافی ہو چکی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کو تیار ہیں' وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ جو کچھ ان کے پاس ہے سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کرنے کو تیار ہیں (اور ایک Base بھی مسلمانوں کو فراہم ہو گیا ہے) تو انہوں نے کفار کی قوت کو للکارا۔ آپ کو یہ علم ہو گا کہ اس وقت عرب میں قریش مکہ کو سیادت و قیادت حاصل تھی۔ ان کی آمریت کا سکہ رواں تھا۔ میں جان بوجھ کر یہ الفاظ استعمال کر رہا ہوں کیونکہ قریش' عرب کے لوگوں کو دو طرح سے دبائے ہوئے تھے اور دو اعتبارات سے انہیں تمام عرب پر بالادستی حاصل تھی۔ ایک تو مذہبی میدان میں یعنی بت پرستی کے ذریعے انہیں بالادستی حاصل تھی کیونکہ خانہ کعبہ میں تمام قبائل کے بت موجود تھے۔ لوگ وہاں آتے اور اپنے ساتھ تحائف لاتے جو وہ اپنے جھوٹے معبودوں کی نذر کرتے اور یہ تمام تحائف اور نذرانے اہل قریش کی ملکیت ہوتے تھے۔ یہ اصل میں قریش کا خزانہ تھا اور گویا ان کا ایک ذریعہ آمدنی تھے۔ خانہ کعبہ کے محافظ اور نگران ہونے کے ناطے انہیں بقیہ عرب پر بالادستی حاصل تھی۔ اور دوسرا یہ کہ تجارتی میدان میں بھی قریش کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ ان کے قافلے محفوظ تھے' باوجود اس کے کہ سرزمین عرب میں قافلوں کو لوٹنے کا عام رواج تھا اور مشرق سے مغرب تک کسی دوسرے قبیلے کا تجارتی قافلہ وہاں خیریت سے نہیں گزر سکتا تھا۔ لیکن قریش کے قافلوں پر کوئی ہاتھ نہیں ڈالتا تھا۔ اس لئے کہ معلوم تھا کہ اگر کسی نے اہل قریش کے تجارتی قافلے کو کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچایا تو ان کا جھوٹا معبود کعبہ سے اٹھا کر باہر پھینک دیا جائے گا۔ ان دو اعتبارات سے قریش کو دوسرے قبائل پر فوقیت اور بالادستی حاصل تھی (اسی لئے قرآن نے انہیں "ائمۃ الکفر" قرار دیا ہے)۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر کی قوت کو ختم کرنے کی خاطر انہیں للکارا اور جب طاقت وجود میں آ گئی تو میدان میں آ کر قریش کو چیلنج کیا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلابی جدوجہد کا آخری مرحلہ تھا۔ جس کے بعد مسلح تصادم شروع ہوا۔ اب کفار اپنی تمام تر قوت کے ساتھ مقابلے پر آئے۔ سب سے پہلی جنگ بدر کے مقام پر' دوسری احد کے مقام پر لڑی گئی اور مسلسل چھ سال تک اندرون ملک عرب جنگوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور اس کے بعد قرآن کے الفاظ کے مطابق "حق کا بول بالا ہو گیا اور کفر کو میدان چھوڑ کر جانا پڑا" : (جاء الحق وزهق الباطل) کیوں۔ اس لئے کہ اس آخری مرحلہ میں قدم مکمل تیاری کے بعد اور مکمل ٹریننگ کے بعد رکھا گیا تھا۔ انقلابی جماعت کے ارکان کا تزکیہ نفس کرنے اور انہیں نظم و ضبط کا پابند بنانے کے بعد کفر کو للکارا گیا۔ اگر یہ کام مکمل تربیت اور نظم و ضبط کے بغیر کیا گیا ہوتا تو یقیناً اس کا نتیجہ یہ نہ نکلتا۔ یہ تھا وہ مختصر سا خاکہ جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا۔ میں نے اگرچہ اس پر بہت تفصیل سے لکھا ہے اور بے شمار کیسٹ اس موضوع پر موجود ہیں لیکن یہاں وقت کی کمی کے باعث میں نے چند منٹوں میں آپ کے سامنے نبوی انقلاب کے مراحل کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا ہے۔

اب میں اپنی تقریر کا آخری نکتہ بیان کر کے اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔ آج کل کے حالات میں ہمیں کیا طریق کار اختیار کرنا ہو گا۔ کیا آج بھی بعینہٖ اسی طریقے پر یہ کام کرنا ہو گا اور ان تمام مراحل سے گزرنا ضروری ہو گا جن سے گزر کر آپؐ نے انقلاب برپا فرمایا یا حالات کی تبدیلی کو مدنظر رکھتے ہوئے طریق کار

میں کوئی تبدیلی کی جا سکتی ہے؟ کیا اس سلسلے میں کوئی اجتہاد ممکن ہے؟ یہ بات ذہن میں رہے کہ اب بعض اعتبارات سے حالات بہت بدل چکے ہیں۔ میری گزارشات آپ کے لئے لمحہ فکریہ ہیں۔ ہمیں سیرت کا بغور مطالعہ کرنا ہو گا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق کوئی نہ کوئی راہ نکال سکیں۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے ان حالات کے لئے کوئی راہ نہ چھوڑی ہو۔ ابتدائی مراحل یعنی دعوت بذریعہ قرآن' تربیت و تزکیہ اور تنظیم کے مراحل تو یقیناً بالکل اسی طرح رہیں گے' ان میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان سے ہمیں لازماً گزرنا ہو گا تاہم میرے خیال میں آخری مرحلہ یعنی مسلح تصادم کے لئے اجتہاد بہت ضروری ہے کیونکہ اب حالات بہت مختلف ہیں۔ اس وقت ایک طرف مخلص مسلمان اور دوسری طرف پکے کافر موجود تھے۔ اس وجہ سے واضح تفریق موجود تھی۔ آج دونوں طرف مسلمان موجود ہیں۔ حکمران بھی مسلمان ہیں جو دین حق کے قیام کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں' استحصالی طبقات بھی مسلمان ہیں' امریکہ کے وائسرائے اور ایجنٹ بھی نام کے مسلمان ہیں اور وہ لوگ جو غلبہ اسلام کے لئے کام کر رہے ہیں وہ بھی مسلمان ہیں۔ قانونی طور پر یہ دونوں مسلمان ہیں۔ دوسرا فرق اس اعتبار سے واضح ہو چکا ہے کہ آج تمام عالم اسلام میں انہی استحصالی طبقات کی حکومتیں قائم ہیں۔ ان حکومتوں کے پاس مسلح افواج بھی ہیں اور نیم فوجی دستے بھی موجود ہیں۔ ان کے پاس ہر طرح کا اسلحہ اور جنگی قوت موجود ہے جبکہ عوام تقریباً نہتے ہیں۔ قوت و طاقت کے اعتبار سے زمین و آسمان کا فرق واضح ہو چکا ہے۔ اس لئے اس معاملے میں اجتہاد کی ضرورت ہے اور میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ کہ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقل اور دانائی کی باتیں مومن کی میراث ہیں۔ اس پر دوسروں سے زیادہ اہل ایمان کا حق ہے' ہمیں جہاں سے حکمت و دانائی کی بات ملے اسے حاصل کرنا چاہئے۔ میں اس صدی کی دو شخصیات کا نام پیش کر سکتا ہوں جن کے حوالے سے ہمیں اس سلسلے میں کچھ رہنمائی ملتی ہے۔ پہلی شخصیت گاندھی کی ہے انہوں نے عدم تعاون اور سول نافرمانی کی تحریک شروع کی اور برطانیہ کی حکومت جانتی ہے کہ برطانوی راج کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں اس تحریک کا بڑا دخل تھا۔ ہمارے لئے دوسری مثال آیت اللہ خمینی نے ایران میں پیش کی انہوں نے کسی قسم کی کوئی جوابی کارروائی نہ کی' نہ ہی انہوں نے کسی قسم کا کوئی ہتھیار اپنے دفاع میں اٹھایا تھا۔ انہوں نے بڑے بڑے احتجاجی مظاہرے کئے' لاکھوں کی تعداد میں ایرانی سڑکوں پر نکل آئے' اور نظام کو جام کر کے رکھ دیا' وہ لوگ اپنی زندگی تک قربان کرنے کو تیار تھے۔ اور انہوں نے فی الواقع ہزاروں کی تعداد میں اپنی جانیں پیش کیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس کے بعد اس مطلق العنان بادشاہ کو وہاں سے بھاگنا پڑا جس کے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کے قدم بڑے مضبوط ہیں۔ آپ اپنے ذہن میں یہ بات رکھیں کہ اگر اس جدوجہد میں قتال فی سبیل اللہ کی ضرورت پڑے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق قتال فی سبیل اللہ حرام نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جہاد حرام نہیں کیا گیا' نہ ہی یہ ختم ہوا ہے' یہ جہاد میری امت کے دجال کے خلاف جنگ کرنے تک جاری رہے گا۔ اسے کوئی حرام بھی نہیں کر سکتا' دجال کے خلاف جنگ قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ایک اہم نشانی ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قیامت بہت دور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ بہت قریب آ گئی ہے۔ جو نشانیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے بارے میں بتائی تھیں۔ وہ سب ایک دوسرے کے بعد ظاہر ہو رہی ہیں۔ اصل میں ہمارے پاس وقت بہت محدود ہے۔ شاید مسلمانوں کے ساتھ بھی مشرق وسطیٰ میں وہی سلوک ہو جو یہودیوں کے ساتھ جرمنی میں ہوا تھا۔ اس لئے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ہمیں نظام خلافت کے قیام کی طرف قدم بڑھانا چاہئے' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے سرگرم عمل ہو جانا چاہئے۔

میری تقریر کا عنوان پاکستان سے بھی متعلق تھا اور ابھی تک میں نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔ شاید برادر ابو طلحہ نے اپنی تقریر میں یہ نکتہ بیان کیا تھا کہ دنیا میں جس وقت تک خلافت کا نظام قائم تھا' اور اگرچہ آخری دور میں وہ بہت کمزور سی خلافت تھی لیکن اس کے باوجود اسلام کے دشمن اس سے خوفزدہ تھے۔ اسی لئے دشمنوں نے ترکی کے حکمرانوں کو یہ نظام خلافت ختم کرنے پر مجبور کیا جو مسلمانوں کی وحدت کی ایک نشانی تھی۔ اور آپ جانتے ہیں کہ جب خلافت کا نظام ختم کیا گیا تو اس وقت پوری دنیا میں صرف اور صرف ایک ملک تھا جس میں اس نظام کو ختم کرنے کے خلاف ایک پرزور تحریک کا آغاز ہوا۔ وہ تحریک اس قدر زوردار تھی کہ گاندھی جیسی شخصیت نے بھی اس تحریک میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ حالانکہ ایک ہندو کا تحریک خلافت سے کیا تعلق! میں ان بھائیوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مولانا محمد علی جوہر کے ۱۹۲۴ء کے اس نعرہ کے الفاظ اس کتاب میں نقل کئے ہیں جس نعرے نے پورے ہندوستان میں ہلچل مچا دی تھی۔

بولیں اماں محمد علی کی ۔ جان بیٹا خلافت پہ دے دو

اور یہ نعرہ پورے ہندوستان کے طول و عرض میں پھیل گیا تھا۔ بہرکیف یہ دنیا اللہ کی پیدا کردہ ہے اور اللہ کہیں سے بھی اس تحریک کے آغاز کے لئے ملک کے حالات سازگار کر سکتا ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ یہ نظام خلافت ساری دنیا میں یکدم نافذ ہو جائے کیونکہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس نظام کو یکدم پوری دنیا میں نافذ نہ کر سکے تو ہم کیونکر نافذ کر سکتے ہیں۔ یہ معاملہ دنیا کے کسی ایک خطے سے شروع ہو گا اور پھر تمام دنیا میں مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ کسی نومسلم یا غیر مسلم قوم کو اس کام کے لئے چن لے۔ کیونکہ تاریخ اسلام میں اس کی نظیر پہلے موجود ہے جس کا حوالہ اقبال کے اس شعر میں ہے۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگ بہت گناہگار ہیں اور اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ دین کی خدمت کا کوئی کام ہم سے لیں۔ تاہم اگر ہم مسلم امہ کو دیکھیں تو تمام عالم اسلام میں پاکستان واحد ایسا ملک ہے جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا۔ اگرچہ حالات بہت مایوس کن ہیں لیکن ہمیں توبہ کی توفیق مل جائے اور ہم اپنے اس مقصد کی طرف لوٹ آئیں اور پاکستان کی تخلیق کے اصل مقصد یعنی اسلامی نظام یا نظام خلافت کے قیام کی طرف پیش قدمی کر سکیں۔ میں اس مقصد کے لئے وہاں اپنی سی کوشش کر رہا ہوں۔ آپ لوگ میرے لئے دعا کریں میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات (آمین)

(روزنامہ پاکستان لاہور کے شکریہ کے ساتھ)

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ' اوروں کی عیاری بھی دیکھ

قاضی صاحب کے پاس کروڑوں تھے' کروڑوں ہیں' کہاں سے آئے ؟

اصلی جماعت اسلامی تو ہماری ہے

نئی "تحریکِ اسلامی" کے امیر جناب نعیم صدیقی کا ایک انٹرویو

☆--- جماعت میں اختلافات کب شروع ہوئے؟

O--- جماعت کو قائم رکھنے کے لئے سب سے ضروری چیز ایک دوسرے پر اعتماد ہوتا ہے۔ امیر سے لے کر ایک ادنیٰ ورکر تک اعتماد کا رشتہ ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے ہر موقع پر امیر جماعت کے فیصلوں کو قبول کیا اور یہ ہمارا فرض بھی تھا کہ امیر کے حکم کی اطاعت کریں لیکن امیر بھی پابند ہوتا ہے کہ وہ شریعت اور شوریٰ کے فیصلوں کا پابند رہتے ہوئے دستور کی خلاف ورزی نہیں کرے گا لیکن قاضی حسین احمد نے شروع دن سے ہی ایک علیحدہ گروپ بنالیا اور ہم جیسے پرانے کارکنوں کو اپنے راستے کی دیوار سمجھتے ہوئے لڑانے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے جس سے ساری فضا کو خراب کر دیا گیا۔ جب ہم کسی کے پاس جاتے تو پوچھتے کہ کس کام سے آئے ہیں حالانکہ ہم پرانے ورکر دار السلام سے لے کر اب تک ایسے ملتے رہے ہیں جیسے سگے بھائی ہوں۔ ایسے حالات جان بوجھ کر پیدا کئے گئے۔ اس کے بعد شوریٰ کے فیصلوں کے برعکس فیصلے کرنا شروع کئے گئے۔ سب سے پہلے تو جماعت میں گروپ بندی کی گئی۔ پھر عراق کے مسئلہ پر شوریٰ کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ دیا گیا۔ حالانکہ شوریٰ کے تمام اراکین نے اجلاس میں کہا کہ جماعت اسلامی عراق کی حمایت اور سعودی عرب کی مخالفت نہیں کرے گی اور نہ ہی جماعت اسلامی کو سعودی عرب کے خلاف بیان دینا چاہئے۔ اس موقع پر میاں طفیل محمد نے تقریر کی جس پر جماعت کی قیادت برہم ہوئی۔ میاں طفیل محمد سے بدتمیزی بھی کی گئی اور ان کی تقریر کی کیسٹ بھی ضائع کر دی گئی تاکہ ان کی آواز کوئی نہ سن سکے۔ اس کے بعد "پاسبان" بنائی گئی جس کی شدید مخالفت ہوئی لیکن شوریٰ کے فیصلوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے چند افراد نے امیر کے حکم پر پاسبان کو جماعت کی ذیلی تنظیم بنا دیا۔ ان حالات میں بہت سے لوگ جماعت سے ناراض ہو کر گھروں میں بیٹھ گئے۔ بعض نے دوسری جماعتوں میں شرکت کر لی۔

☆--- آپ نے کہا کہ اعتماد بھی ختم ہو گیا اور لوگ ناراض ہو گئے' اس کے باوجود قاضی حسین احمد دوبارہ امیر جماعت کیسے منتخب ہو گئے؟

O--- جب پہلی دفعہ قاضی حسین احمد منتخب ہوئے تھے تو انہوں نے اسی وقت جماعت میں انتشار پھیلانے کے طریقہ پر عمل کرنا شروع کر دیا اور پھر اپنے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے نوجوانوں کو اہمیت دینے لگے۔ اسلامی جمعیت طلبہ میں سے تقریباً چار ہزار نوجوان جماعت میں لائے' جنہیں اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا تھا۔ سو ایسا ہی ہوا' قاضی حسین احمد نے جب دوسری دفعہ الیکشن لڑا تو بہت سے احباب نے قاضی حسین احمد کے خلاف الیکشن ٹریبونل میں درخواستیں دیں لیکن الیکشن ٹریبونل بھی قاضی حسین احمد کے اور ان کے گروپ کے افراد پر مشتمل تھا لہٰذا کسی درخواست پر غور کرنا ہی مناسب نہیں سمجھا گیا۔ حتیٰ کہ میاں طفیل محمد نے تو اپنی درخواست میں یہ لکھ دیا تھا کہ قاضی حسین احمد ہمیشہ کے لئے نااہل ہو گئے ہیں لیکن حکم تو قاضی حسین احمد کا چلتا تھا سو وہ دوبارہ امیر منتخب ہو گئے جس پر جماعت کے ارکان نے شدید احتجاج کیا تھا۔

☆--- جیسا کہ آپ نے بتایا کہ اختلافات کافی عرصے سے چلے آ رہے ہیں لیکن آپ نے کچھ عرصہ قبل جماعت سے علیحدگی اختیار کی' اس کی خاص وجہ کیا ہے؟

O--- اختلافات تو بہت پرانے تھے لیکن جماعت کے اتحاد اور انتشار و افتراق سے بچنے کے لئے ہماری کوششیں تھیں کہ مل جل کر حالات ٹھیک کر لئے جائیں لیکن مخالفت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جب قاضی حسین احمد امیر منتخب ہوئے تو انہوں نے دو ماہ کے اندر ہی یہ تاثر دیا کہ وہ مولانا مودودی کے نام یا ذکر یا حوالے کو پسند نہیں کرتے۔ نرم سے نرم الفاظ میں وہ یہی کچھ کہہ سکتے تھے۔ یہ ایک اشارہ تھا کہ آگے چل کر کچھ نئے گل کھلیں گے۔ اب ہم نے دیکھا کہ یکایک ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ وہ بنیادی تھیوری یا نظریہ جس پر نصف صدی سے کام ہو رہا تھا پس پشت ڈال دیا گیا۔ اقتدار کا حصول مقصود ٹھہرا اور ہجوم عام جمع کرنے کی کوششیں شروع ہو گئیں۔ گزشتہ انتخابات کے تمام حربوں کو بنیاد بنا کر موجودہ آئینی ڈھانچے' طریقہ انتخاب' فضا کا جائزہ لینے کی بجائے یہ کوششیں کی گئیں کہ کسی نہ کسی طریقے سے زیادہ سے زیادہ سیٹیں حاصل کر لی جائیں۔ پہلا تجربہ اتحاد کے ذریعے کیا گیا۔ پھر الگ ہو کر ایک نئی شکل سوچی' مختلف جماعتیں بنانا شروع کیں۔ پھر ڈھول پیٹا گیا' تماشے کئے گئے' جو جماعت کے لئے نیا فلسفہ تھا جس کے تحت اخلاقیات' ذہنی ترقی' اخلاقی تعمیر اور دیگر تقاضے دم توڑ گئے اور ساری توجہ حصول اقتدار کی کشمکش پر مرکوز ہو گئی۔ ساری توانائیاں اسی ایک مقصد کے لئے وقف ہو گئیں۔ ایسے کھیل تماشے ہوئے اور ہنگامے ہوئے کہ برسوں کی ساکھ خاک میں مل گئی۔ یہ سارا کچھ کر کے اور جماعت کی نصف صدی کی کمائی کو "لٹا کر" بھی انتخابی کامیابی صفر رہی۔ زیادہ سے زیادہ آدمیوں کو جمع کرنے کی کوششیں اور جلد بازی کی وجہ سے کام بگڑتے گئے۔ قواعد و ضوابط ٹوٹتے گئے' ٹوٹ پھوٹ کے عمل سے جماعت کے اندر اضطراب بڑھتا گیا اور جماعت اسلامی جیسی منظم نظریاتی جماعت کے اندر دراڑیں پڑنے لگیں۔ یکسوئی ختم ہو گئی' جماعت اسلامی کا نام جن بنیادوں' جن اصولوں اور جس معیار پر ہو رہا تھا انہیں تباہ کر دیا گیا۔ انتخابات کے موقع پر ہم نے اسلامک فرنٹ کی مخالفت کی تو ہمیں غدار کہہ دیا گیا۔ حقیقتاً انتخابات میں اسلامک فرنٹ کے نام پر الیکشن کا مقصد پیپلز پارٹی کی حکومت بنوانا تھا جس پر میاں طفیل محمد نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اسلامک فرنٹ کے نتیجے میں وہ جماعت حکمران بنے گی

جناب فضل الرحمٰن نعیم صدیقی کا یہ انٹرویو روزنامہ "خبریں" لاہور سے ماخوذ ہے جو معاصر کی اشاعت ۲۶/ نومبر ۹۴ء میں دو رنگے سرورق پر شائع ہوا۔ جناب نعیم صدیقی کی تحریک فکر مودودی کا باقاعدہ نام اب "تحریک اسلامی" ہے اور خود نعیم صدیقی صاحب ہی اس کے امیر منتخب ہوئے ہیں۔ اس پر خیال آتا ہے کہ تحریک اسلامی تو ایک "جنرک" نام ہے اور پاکستان سمیت دنیا کے کسی بھی حصے میں چلنے والی ہر اسلامی احیائی تحریک کو تحریک اسلامی کہا جاتا ہے۔ گویا یہ نام اختیار نہ کیا جانا چاہئے تھا تاہم نام کا یہ مسئلہ تو کسی مشکل کا باعث صرف اسی صورت میں بنے گا جب نعیم صدیقی صاحب کی نئی جماعت (جو بقول ان کے 'اصل جماعت اسلامی کا ہی تسلسل ہے) کوئی قابل ذکر حجم اور حیثیت حاصل کر لے گی جس کے امکانات زیادہ روشن نہیں۔ جماعت اسلامی کی موجودہ قیادت کا قبضہ اتنا مضبوط اور مکمل ہے کہ کوئی بڑا شگاف ڈال کر جماعت میں سے کسی موثر تعداد کو نکال لانا بعید از قیاس محسوس ہوتا ہے اور ایسے کئی گروپ جماعت سے نکل کر "تحریک اسلامی" میں شامل نہ ہوئے تو نئی جماعت کے حوصلوں پر بہت جلد اوس پڑ سکتی ہے جس کے بعد یہ نئی جماعت کوئی تحریک نہیں رہے گی بلکہ محض ایک انجمن بن کر رہ جائے گی اور کام اس کا یہ ہو گا کہ گاہے گاہے جمع ہو کر جماعت اسلامی کے ماضی پر فاتحہ دلوائی جاتی رہے۔

ہمارا نقطہ نظر تو یہ ہے کہ جماعت اسلامی کو کانٹا بدل کر اس نئی پٹڑی پر ڈالنے والے خود مولانا مودودی مرحوم تھے جس پر چل کر ان کی جماعت کو آخر کار وہیں پہنچنا تھا جہاں وہ آج فراٹے بھرتی نظر آتی ہے لیکن "تحریک اسلامی" اس سے متفق نہیں اور زوال کا سارا وبال قاضی حسین احمد صاحب اور ان کے "قبضہ گروپ" پر ڈالتی ہے جن کی قلابازیوں نے میاں نواز شریف صاحب کو کمزور کر کے پیپلز پارٹی کو ملک پر مسلط کیا۔ یہی آخری الزام "تحریک اسلامی" کا قاضی صاحب کے خلاف سب سے موثر ہتھیار تھا۔ جیسے پورے ملک میں ایک تقسیم پیپلز پارٹی کی حمایت و مخالفت نے پیدا کر دی ہے ویسے ہی خود جماعت اسلامی کے اندر بھی "پرو پیپلز پارٹی" اور "اینٹی پیپلز پارٹی" دو مستقل گروہ وجود میں آ گئے ہیں اور "تحریک اسلامی" کو جماعت اسلامی کے "اینٹی پیپلز پارٹی" عناصر سے بڑی توقعات تھیں جواب شاید پوری نہ ہو سکیں کیونکہ قاضی صاحب کے تازہ پینترے انہیں بھی مخمصے میں ڈال دیں گے۔ میاں نواز شریف سے قاضی حسین احمد کی ملاقات اور غیر واضح مفاہمت لیکن قاضی صاحب کی اس غیر مشروط پیشکش کے بعد کہ میاں نواز شریف بے نظیر حکومت کے خلاف تحریک عدم اعتماد لائیں تو ہمارے تین ووٹ حاضر ہیں' جماعت اسلامی میں موجود پیپلز پارٹی مخالف عناصر کے دلوں میں ٹھنڈ سی پڑ گئی ہو گی اور اب وہ اپنی جماعت کو چھوڑتے ہوئے پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ گہری سوچ میں پڑ جانے پر مجبور ہوں گے۔

وہ کروڑوں روپے بھی تو آخر کچھ نہ کچھ کام دکھائیں گے جو بقول جناب نعیم صدیقی' قاضی حسین احمد صاحب نے نہ معلوم کہاں سے حاصل کئے ہیں۔ ان کروڑوں کی خبریں دیگر ذرائع سے بھی ملتی اور آثار و شواہد سے تصدیق حاصل کرتی ہیں۔ دروغ بر گردن راوی' جماعت اسلامی کی موجودہ قیادت کے پاس "بیت المال" سے بالا بالا اتنا کالا دھن موجود ہے جس کا اندازہ بھی لگانا آسان نہیں۔ ان کروڑوں سے عام وابستگان جماعت براہ راست مستفید نہ ہوں تب بھی ان کی "چمک" کے سحر میں تو مبتلا رکھے ہی جا سکتے ہیں۔ پھر روزنامہ "خبریں" کے اسی صفحے پر مولانا مودودی مرحوم کے ایک صاحبزادے' سید حیدر فاروق مودودی کا جو یہ قول شائع ہوا ہے کہ "ہمیں پہلے ہی اندازہ تھا کہ "قاضی مافیا" اب جماعت پر قابض ہو گیا ہے' اب یہ کسی کی بات نہیں سنے گا۔ ان کے اپنے عزائم اور اپنے مفادات ہیں۔ انہیں جماعت کی روایات اور طریق کار سے کوئی دلچسپی نہیں" اس کے بارے میں بھی "تحریک اسلامی" کے قائدین کی رائے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اگر کوئی مافیا واقعی جماعت اسلامی پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے تو اس کے چنگل سے نکلنا ہر کسی کے بس کی بات نہ ہو گی۔

جماعت اسلامی سے متعلق ہمارے رویہ کو کوئی جو چاہے نام دے' فی الحقیقت وہ ہمیشہ نصح و خیر خواہی پر مشتمل رہا البتہ اس میں حسرت کا اضافہ ہوتا چلا گیا۔ گئے گزرے حال میں بھی اس جماعت کی صفوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو دین کے اس انقلابی تصور سے آشنا ہیں جس کو دل و دماغ پر طاری کئے بغیر کسی مسلمان کو غلبہ دین کی جدوجہد کے کٹھن کام پر لگایا ہی نہیں جا سکتا۔ افسوس کہ یہ جوہر ضائع ہو رہا ہے اور اندیشہ ہے کہ یہ قیمتی سرمایہ رفتہ رفتہ ڈوبتا چلا جائے گا۔ اس زر خالص کو زر کم عیار بننے سے روکنے میں جناب نعیم صدیقی کی "تحریک اسلامی" کامیاب ہو جائے تو یہ امت مرحومہ پر ان کا احسان ہو گا اور ہماری بھی دعائیں وہ لے گی لیکن اس کے لئے انہیں اپنے تجزیوں پر نظر ثانی کرنی ہو گی' تشخیص اور علاج پر بھی از سر نو غور ضروری ہو گا ۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی توفیق سے نوازے ..... ادارہ

جس کے خلاف مولانا مودودی کی زندگی سے اب تک پاکستان کی تمام جماعتیں مشترکہ طور پر لڑتی رہی ہیں۔ میاں طفیل محمد نے مزید کہا کہ مسلم لیگ میں چند خرابیاں تو ہو سکتی ہیں وہ پیپلز پارٹی کی طرح امریکہ یا بھارت کے ایجنٹ تو نہیں ہیں' وہ ملک کے قاتل تو نہیں ہیں لہٰذا ہمیں پیپلز پارٹی کے قبضے میں نہ دیا جائے لیکن جماعت کی قیادت ایک ہی بات کہتی رہی کہ دونوں برائیاں ہیں' دونوں سے نجات حاصل کرنی چاہئے حالانکہ یہ پیپلز پارٹی قائم کرانے کی ایک سازش تھی جو پوری ہو گئی۔ مجھے باوثوق ذرائع سے یہ بھی پتہ چلا کہ انتخابات کے دنوں میں جماعت اسلامی کے ایک رہنما نے پیپلز پارٹی کے کسی اہم رہنما سے بات چیت کرتے ہوئے پوچھا کہ ہم یعنی جماعت اسلامی پیپلز پارٹی کے لئے کیا کر سکتے ہیں' کیا حکم ہے؟ تو پیپلز پارٹی کے رہنما نے کہا کہ بس اتنا ہی کافی ہے کہ آپ مسلم لیگ سے اتحاد نہ کریں جس پر پیپلز پارٹی کی ہائی کمان بہت خوش تھی۔ اب ایسے حالات میں جب جماعت کی قیادت نے سرے سے جماعت کے مقاصد کو پس پشت ڈال دیا ہو' کیسے اکٹھا رہا جا سکتا تھا لہٰذا ہم نے الگ ہو کر جدوجہد کرنا مناسب سمجھا۔

☆--- آپ نے کہا کہ جماعت نے ذاتی طور پر الیکشن

لڑا تو اس الیکشن میں لگنے والے پیسے جو کروڑوں روپے تھے' کہاں سے آئے؟

○--- اس سوال کا جواب ہم بھی آج تک نہیں سمجھ پائے۔ ہم نے الیکشن کے دنوں میں بیت المال آفس سے معلوم کیا کہ یہ اخراجات کیوں کئے جا رہے ہیں تو بیت المال کے انچارج نے ہمیں تمام حسابات دکھاتے ہوئے بتایا کہ انتخابات میں بیت المال سے ایک پیسہ بھی نہیں نکلوایا گیا۔ جتنے لوگ اعانت کرتے ہیں اتنے پیسے ویسے کے ویسے پڑے ہیں۔ انتخابات کے لئے بیت المال سے پیسے نہیں لئے گئے۔ اب حیرت کی بات ہے کہ کروڑوں روپے کہاں سے آئے' کس نے دیئے' کس لئے دیئے' مقصد پورا ہو گیا یا نہیں۔ یہ صورت حال آپ بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں لہٰذا اب ہم مزید کیا کہیں۔

☆--- کیا آپ کی جماعت سے علیحدگی کی ایک وجہ مسلم لیگ سے اتحاد ٹوٹنا بھی تھی؟

○--- مسلم لیگ سے اتحاد کا تقاضا تو اس لئے کرتے تھے کہ پیپلز پارٹی انتخابات میں جیت کر پاکستان کے عوام پر مسلط نہ ہو جائے۔ آخر کار وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا کہ ہمارے اکابرین نے اپنے ہاتھوں سے پیپلز پارٹی کی ملک دشمن حکومت قائم کروا دی۔

☆--- مولانا آپ کی جماعت "تحریک فکر مودودی" کے وجود میں آنے کے مقاصد کیا ہیں' اب کیا سمجھا جائے کہ جماعت واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے؟

○--- جب ہم نے محسوس کیا کہ جماعت اسلامی اب مولانا مودودی کے منشور سے غداری کر رہی ہے تو یہی بہتر سمجھا کہ علیحدہ ہو کر بیٹھ جائیں مگر پھر ایک ہی سوچ تھی کہ میں اکیلا نہیں ہوں بلکہ سینکڑوں احباب ایسے ہیں جو جماعت کی موجودہ قیادت سے متنفر ہو چکے ہیں تو کیوں نہ ایک ایسا پلیٹ فارم بنایا جائے جہاں سے تمام احباب' مولانا مودودی کے نظریات اور ان کے منشور کے مطابق کام کیا جائے۔ اس سلسلے میں ہمیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ صرف اندرون ملک نہیں بلکہ بیرون ملک سے بھی رابطے بڑھے ہیں۔ ان ممالک سے ہم سے رابطے کئے گئے ہیں جہاں جماعت اسلامی اتنی بڑی جماعت ہونے کے باوجود رابطے نہیں کر سکی۔ نیویارک سے ہمیں کئی خطوط موصول ہو چکے ہیں کہ یہاں یونٹ قائم کیا جائے' ایسے حالات میں ہم سمجھتے ہیں کہ جماعت سے ناراض لوگ لیکن فکر مودودی سے مخلص لوگ ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں تو ہماری کامیابی ہے۔ جہاں تک دو حصوں میں تقسیم ہونے والی بات ہے تو درست یہ ہے کہ اصل جماعت اسلامی ہماری تنظیم ہے جبکہ قاضی حسین احمد گروپ صرف مولانا مودودی کا نام استعمال کر رہا ہے اور جو لوگ ان سے متفق نہ ہوں گے اب ہمارے پاس آئیں گے لہٰذا دو حصوں میں تقسیم ہونے والی بات تو نہیں بلکہ اصل فکر اور نظریہ مودودی ہمارے پاس ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مولانا مودودی کی جماعت جو مر گئی ہے اس کو زندہ جاوید رکھا جائے۔

☆--- کیا کبھی جماعت کی طرف سے رابطہ کیا گیا یا آپ کی دونوں جماعتوں میں اتحاد ممکن ہے؟

○--- ہمیشہ لڑائی کے بعد صلح کرنے کے لئے اپنی غلطی کو تسلیم کرنا پڑتا ہے لیکن جماعت کی موجودہ قیادت اپنے آپ کو فرشتہ سمجھتے ہوئے کسی غلطی کو ماننے کے لئے تیار نہیں بلکہ اب بھی جماعت اسلامی میں گروپ بندی کی جا رہی ہے اور ہر جگہ قاضی حسین احمد کے حکم پر ذمہ داران کو تعینات کیا جا رہا ہے جیسا کہ سرحد میں ہوا۔ صوبہ سرحد کی امارت کے انتخاب میں مولانا گوہر رحمان کو پچاس فیصد اور موجودہ امیر کو بیس فیصد ووٹ ملے لیکن قاضی حسین احمد نے حکم دیا کہ بیس فیصد والے کو امیر بنایا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اب وہ سرحد کے امیر کی حیثیت سے قاضی حسین احمد کے ہمراہ بیرونی ممالک کے دورے بھی کر رہے ہیں جس پر صوبہ سرحد کے ارکان ناراض ہیں اور جماعت کی قیادت پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہیں۔ ایسے ہی ضلع سیالکوٹ میں کیا گیا۔ وہاں ۴۵ ووٹ والے پر چار ووٹ لینے والے کو برتری حاصل کروائی گئی۔ ضلع سیالکوٹ کا امیر امین جاوید کو بنایا گیا جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ امین جاوید ایک مالدار شخص ہے اور وہ عہدے کے لئے پیسے لگا سکتا ہے۔ ضلع سیالکوٹ کے سارے ارکان ہمارے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ ایسے ہی قاضی حسین احمد کے حکم پر ریاست "دیر" میں بھی نتائج تبدیل کئے گئے۔ جب ایسے حالات ہوں تو اتحاد کیسے ہو سکتا ہے۔ لوگ متنفر ہو چکے ہیں۔ اب معاملہ کنٹرول نہیں کیا جا سکتا۔

☆--- اب کچھ ملکی سیاست کے حوالے سے بات ہو جائے تو مولانا موجودہ سیاسی حالات اور حکومت کی جانب سے حزب اختلاف کے رہنماؤں کی گرفتاری سے جمہوریت پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

○--- موجودہ حکومت نے حزب اختلاف کے رہنماؤں کو گرفتار کر کے ذوالفقار علی بھٹو کی یاد تازہ کر دی ہے۔ وہ بھی بالکل ایسے ہی جبر و تشدد کا بازار گرم کیا کرتا تھا لیکن ایسے اوچھے ہتھکنڈے کسی بھی حکومت کے لئے اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے آخری حربہ ہوتے ہیں جس حد تک موجودہ حکومت ظلم و بربریت کی مثال قائم کر رہی ہے ایسا کبھی مارشل لاء میں بھی نہیں کیا گیا۔ عورتوں کو گرفتار کرنے' بزرگوں اور بیماروں کو گھسیٹنا حالانکہ ان کو گھروں میں نظر بند کیا جا سکتا تھا۔ موجودہ حکومت بوکھلاہٹ کی محسوس ہوتا ہے کہ تبدیلی آنے والی ہے۔

☆--- مسلم لیگ اور جماعت اسلامی کے اتحاد کی باتیں ہو رہی ہیں' اگر اتحاد ہو گیا تو کیا اثرات مرتب ہوں گے؟

○--- میرے خیال میں تو جب سے پاکستان بنا ہے تب سے ہی مسلم لیگ اور جماعت اسلامی میں اتحاد ہو جانا چاہئے تھا لیکن مسلم لیگ میں کمیونسٹ اور سیکولر بھی آ گئے جن کی وجہ سے دوریاں پھیلتی گئیں لیکن اب بھی اتحاد ہونا چاہئے۔ اگر مسلم لیگ اور جماعت اسلامی ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو کر موجودہ حکومت سے نجات حاصل کرنے کی جدوجہد کریں تو نجات ممکن ہے اور پھر مسلم لیگ کو دنیا کی کوئی طاقت اقتدار سے دور نہیں رکھ سکتی۔ مسلم لیگ کو بھی "دین" کے نزدیک آنا چاہئے۔ کم از کم جماعتی سطح پر نماز تو پڑھنی چاہئے اور کارکنوں کو تلقین کرنی چاہئے اور پھر مسلم لیگ کو ملک پر حکومت کرنی چاہئے اور جماعت اسلامی کو مسلم لیگ کی معاونت کرتے ہوئے ملک میں اسلام کے نفاذ کے لئے راہ ہموار کرنی چاہئے تب جا کر پاکستان کے حالات درست ہوں گے۔ اصل میں پاکستان کے معرض وجود آنے کے بعد آج تک اسلام کے نفاذ کے لئے کوششیں نہیں کی گئیں لہٰذا اگر یہ کام مسلم لیگ اور جماعت اسلامی دونوں مل کر کر لیں تو اسلامی تاریخ میں دونوں پاکستانی جماعتوں اور سربراہوں کے نام سنہری حروف سے لکھے جائیں گے۔

☆--- پاکستان میں کراچی کے حالات اور مالاکنڈ کی صورتحال پر عوام میں تشویش پائی جاتی ہے۔ یہ معاملہ کہاں تک جائے گا؟

○--- یہ جہاں تک مالاکنڈ کے واقعہ کا تعلق ہے تو وہ یوں ہے کہ نفاذ شریعت کا مطالبہ تو پورے پاکستان سے ہونا چاہئے اس لئے کہ یہ ملک معرض وجود میں آیا ہی شریعت کے نفاذ کے لئے ہے اور ہم اس مطالبے کی مکمل حمایت کرتے ہیں۔ خواہ یہ مطالبہ کہیں سے بھی

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

یادِ ماضی عذاب ہے یارب !

سقوطِ ڈھاکہ : کیا تاریخ دہرائی جا رہی ہے ؟

محمد سمیع

وہ لوگ اور جو چاہے ہوں "لوٹے" ہرگز نہیں تھے

سقوطِ ڈھاکہ کو تقریباً ۲۳ سال بیت چکے لیکن ایسے لگتا ہے جیسے کل کی بات ہو۔ کراچی کی موجودہ صورتحال نے اس زخم کو پھر سے تازہ کر دیا ہے۔ بنگال جو مسلم لیگ کی جائے پیدائش تھی' وہ بنگال جو تحریک پاکستان کا ہراول دستہ تھا' اس کو ہم نے کھو دیا۔ سقوط ڈھاکہ کا کون کون ذمہ دار تھا اس کا راز تو اس دن کھلے گا جب اللہ واحد القہار قیامت کے دن مرحوم مشرقی پاکستان سے پوچھے گا کہ "بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ" -- کیونکہ یہ اس کی عطائے خاص تھی جو اس کی جانب سے ہمیں اسلام کے نام پر ملی تھی۔ دنیا میں مسلمانوں کی سب سے بڑی مملکت کا توڑا جانا اپنی سنگینی کے لحاظ سے ایک منفرد جرم تھا۔ ہوس اقتدار میں مبتلا حکمرانوں کی بوالہوسی کے نتیجے میں ایک بار پھر لاکھوں افراد قتل ہوئے' ہزاروں عصمتیں لٹیں اور اربوں کھربوں کی مالیت پر مشتمل املاک لٹیں۔ ایسا ایک بار پہلے ۱۹۴۷ء میں بھی ہوا تھا۔ لیکن وہ دشمنوں کے ذریعے ہوا تھا اور اب جو ہوا وہ اپنے ہی بھائیوں کے ہاتھوں ہوا۔ ہم ہر سال یوم دفاع پاکستان مناتے ہیں' بے شک منایا جانا چاہئے۔ لیکن ہم یوم سقوط ڈھاکہ نہیں مناتے۔ شاید اس لئے کہ شرم آتی ہو' لیکن نہیں' اگر شرم آتی تو ہم اس واقعے سے عبرت پکڑتے اور اللہ کی طرف رجوع کرتے۔ اس ملک میں اسلام کا نظام عدل اجتماعی قائم کرتے کہ یہی ہمارے دکھوں کا درماں ہے۔ لیکن آج ہم اسلام کی منزل کو بھول کر سیکولرزم کی راہوں پر چل پڑے ہیں۔ گویا کہ ہم اس عہد کی نہایت ڈھٹائی سے نفی کر رہے ہیں کہ ہم یہ ملک اس لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ یہاں اخوت' مساوات اور حریت پر مبنی اسلامی نظام قائم کر کے دنیا کو ایک اسلامی مملکت کا نمونہ پیش کریں گے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم اللہ تعالیٰ کے سخت ترین عذاب میں گرفتار ہیں۔ علاقائیت' لسانیت اور مذہبی فرقہ واریت کی عفریت نے ہمیں سختی سے اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ خون مسلم ارزاں ہے لیکن مسلمانوں ہی کے ہاتھوں! اور اس سب کچھ کے باوجود اقتدار کی بوالہوسی میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔

دس سال کی حکمرانی کے بعد ایوب خان مرحوم نے عشرہ امن و ترقی کیا منایا کہ اس کے عہد کے زوال کا آغاز ہو گیا۔ مخالفت میں مشرقی پاکستان پیش پیش تھا اور کیسے نہ ہوتا کہ وہاں بھی وہی کھیل کھیلا گیا جو آج کراچی میں کھیلا جا رہا ہے۔ وہاں بھی عوام کے حقیقی نمائندوں کی بجائے ایوب خان مرحوم نے دس سال تک ان بنگالی رہنماؤں کی پشت پناہی کی جن کا عوام میں کوئی مقام نہ تھا۔ مرحوم فضل القادر چودھری قومی اسمبلی کے اسپیکر ہوا کرتے تھے۔ جب کبھی ایوب خان مرحوم ملک سے باہر ہوتے' یہ قائم مقام صدر بنتے اور فوراً ہی عازم چاٹگام ہوتے تھے۔ مرحوم عبد الصبور خان مرحوم کی اپنی دلچسپیاں تھیں' جن میں نمایاں ترین مختلف اقسام کے جانور پالنا تھا اور ان کا چمپنزی تو کافی مشہور تھا۔ عبد المنعم خان مرحوم تو ایوب خان کے دست راست مانے جاتے تھے۔ یہ صاحب مشرقی پاکستان کے گورنر ہوا کرتے تھے لیکن یہ بات علی الاعلان کہا کرتے تھے کہ میں تو ایک ٹھرڈ کلاس وکیل تھا' ایوب خان نے مجھے گورنر بنا دیا۔ ان کے بارے میں یہ لطیفہ بہت مشہور تھا کہ جب ایوب خان ان سے فون پر بات کرتے تو وہ یس سر کہتے ہوئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ ایک بار ڈھاکہ یونیورسٹی کے طلباء نے ان سے ڈگری لینے سے اس لئے انکار کر دیا کہ وہ ایک جاہل آدمی کے ذریعہ ڈگری وصول کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ایک جلسہ کے دوران جو ڈھاکہ میں مہاجروں کی بستی محمد پور میں ہو رہا تھا' میں نے خود انہیں کہتے ہوئے سنا۔ وہ طلباء کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے کہ "بابا من ترا حاجی بگویم تو مرا ملا گو' تو کم از کم پاجی بھی مگو۔"

ان حضرات کی ایک خوبی یہ تھی کہ یہ وفادار لوگ تھے۔ مسلم لیگ میں رہے اور اسی میں رہ کر اس دنیا سے سدھارے۔ یہ آج کل کے لوٹوں کی طرح نہ تھے جو ادھر سے ادھر لڑھکتے پھرتے ہیں۔ فضل القادر چودھری مرحوم کو بنگلہ دیش کی حکومت نے قید کر دیا تھا۔ کہتے ہیں حکومت کا ایک وفد ان کے پاس گیا اور کہا کہ اب تو بنگلہ دیش بن چکا ہے' اب اگر آپ اسے تسلیم کر لیں تو ہم آپ کو رہا کئے دیتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ ہم نے پاکستان کے لئے جدوجہد کی اور اللہ کے فضل و کرم سے پاکستان بنایا۔ تم نے بنگلہ دیش کے لئے جدوجہد کی اور بنگلہ دیش بنایا۔ تم نے اپنا کام کیا تم بھی اپنا کام کرو۔ ہم جیتے جی بنگلہ دیش کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ مرحوم نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز مسلم لیگ کے نیشنل گارڈ کی حیثیت سے کیا اور اسی میں رہتے ہوئے جان دی۔ عبد المنعم خان مرحوم کے بارے میں کون نہیں جانتا کہ اس نے بنگالیوں کے مفادات کے لئے کتنا کام کیا۔ لیکن بنگالیوں نے مرنے کے بعد اس کی لاش کو تین مرتبہ قبر سے نکال کر باہر پھینکا۔ مرحوم چاہتے تو وہ بھی عوامی لیگ میں شامل ہو سکتے۔ افسوس کہ بنگالیوں نے ان لوگوں کی قیادت کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جیسے ہی ایوب خان کا وہ جشن ختم ہوا جو وہ عشرہ ترقی و خوشحالی کے سلسلے میں منا رہے تھے ان کا زوال شروع ہو گیا۔ بنگالی قوم ان کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔

پاکستان کی قسمت میں دوسری بدبختی یحییٰ خان کے مارشل لاء کی صورت میں آئی۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کی تیاریوں کے دوران شیخ مجیب الرحمٰن نے جھوٹے اعداد و شمار کے ذریعے بنگالیوں میں مغربی پاکستان کے ذریعہ مشرقی پاکستان کے استحصال کا خوب پروپیگنڈا کیا۔ یحییٰ خان کی حکومت نے ان اعداد و شمار کی تردید کا کوئی کام نہ کیا اور نہ ہی اس لیگل فریم ورک آرڈر پر عمل درآمد کروایا جو الیکشن کو کنڈکٹ کئے جانے کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ نتیجتاً الیکشن میں عوامی

لیگ کو زبردست پذیرائی ہوئی۔ یحییٰ خان نے اپنی صدارت بچانے کے لئے اقتدار کی منتقلی کو مؤخر کیا۔ بھٹو نے بھی اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا جس سے بنگالیوں کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ واقعتاً مغربی پاکستان مشرقی پاکستان کا استحصال کر رہا ہے ورنہ اقتدار کی منتقلی میں تاخیر کا کوئی جواز نہیں۔ لہٰذا وہ حکومت وقت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے حکومت سے عدم تعاون کی تحریک چلائی جس کے نتیجے میں مارشل لاء کی موجودگی میں مشرقی پاکستان میں اس کی متوازی حکومت قائم ہو گئی۔ میں اس کی صرف ایک مثال بیان کروں گا۔ جب مشرقی پاکستان میں رہائش پذیر مغربی پاکستان کے شہریوں نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اپنا سرمایہ مغربی پاکستان منتقل کرنا شروع کیا تو شیخ مجیب الرحمٰن کا حکم صادر ہوا کہ کوئی بینک کسی کو (غالباً) ہفتے میں پانچ سو روپے سے زیادہ کی رقم نہ نکالنے دے۔ اس کا یہ حکم خوب چلا اور اگر کہیں کسی بینک مینجر نے خلاف ورزی کی اور یہ بات کھلی تو اس کی شامت بھی آئی۔

جب بقول بھٹو مرحوم کے "اللہ کا شکر ہے کہ پاکستان بچ گیا" یعنی بنگالیوں کے خلاف آرمی ایکشن شروع ہوا تو اس سلسلے میں مشرقی پاکستان میں مقیم مہاجروں کا تعاون حاصل کیا گیا۔ جب ۱۹۶۹ء میں ایوب حکومت کے خلاف مہم چلی تھی تو چونکہ مہاجر ایوب خان کے حمایتی تھے اس لئے وہاں بنگالی بہاری فسادات ہوئے لہٰذا مہاجروں نے ایک متحدہ پلیٹ فارم "انجمن مہاجرین" کے نام سے قائم جس کی سربراہی دیوان وراثت حسین خان وکیل کر رہے تھے اور مولانا متین ہاشمی اس کے سرگرم رہنما تھے۔ کچھ تو فوج نے ان کے جذبہ حب الوطنی کو دیکھتے ہوئے مہاجروں کو ایسٹ پاکستان سول آرمڈ فورسز میں شامل کیا اور کچھ ایکشن میں فیل ہونے والوں میں اول جماعت اسلامی نے بھی ان کی حمایت حاصل کی اور انہیں "البدر" اور "الشمس" نامی تنظیموں میں شامل کیا۔ جماعت اسلامی کے لیڈر مولانا غلام اعظم کو اب بنگلہ دیش کی شہریت بھی مل گئی اور پاکستان کے فوجی بھی واپس آ گئے ہیں لیکن حب الوطنی کے جرم میں ڈھائی لاکھ سے زیادہ مہاجرین آج بھی بنگلہ دیش کے کیمپوں میں محصور عبرتناک زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کی زندگی وہاں کس طرح بسر ہو رہی ہے اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ البتہ یہاں کی سیاسی جماعتوں نے ان کے نام پر سیاست کی دوکان پہلے بھی چمکائی تھی اور آئندہ بھی چمکاتے رہیں گے لیکن ان کی واپسی کے لئے کچھ کرنا ان کے بس میں نہیں۔

اب آیئے کراچی کی طرف۔ یہاں پہلے مہاجروں کو پاکستان کی دوسری قومیتوں سے لڑایا گیا پھر جب ایم کیو ایم کا "جن" قابو سے باہر ہوا تو غیر نمائندہ لوگوں پر مشتمل "حقیقی" بنائی گئی۔ اب مہاجروں کو مہاجروں کے ذریعہ لڑوایا جا رہا ہے۔ اور یہ جو مہاجروں کے نام نہاد قائدین ہیں وہ ایک دوسرے کو مار رہے ہیں اور ایجنسیوں کی دہائی بھی دے رہے ہیں کہ یہ ہمیں مروا رہی ہیں۔ ڈھائی سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا۔ ملٹری آپریشن جو پورے صوبہ سندھ میں شروع کیا گیا تھا اب صرف کراچی میں جاری ہے۔ ہمارا ازلی دشمن بھارت موقع سے خوب فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اس کی کوشش یہی ہے کہ کسی طرح مہاجر فوج کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ اب پولیس اور رینجرز پر حملے شروع ہو چکے ہیں' نتیجہ میں مختلف آبادیوں کو گھیر کر خانہ تلاشی کی جا رہی ہے۔ سعود آباد اور لیاقت آباد میں لوگوں کے ساتھ جو سلوک ہوا اسے ہمارے ازلی دشمن بعض مغربی ذرائع ابلاغ خوب نمک مرچ لگا کر پیش کر رہے ہیں۔ روزانہ دس بارہ قتل کے واقعات تو پریس کے ذریعے لوگوں تک پہنچتے ہیں۔ جن واقعات کی رپورٹ نہ ہوتی ہو وہ اس پر مستزاد۔ حالات جس نہج پر جا رہے ہیں اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان تمام حالات کو دیکھتے ہوئے ایک سوال بار بار ذہن میں گونجتا ہے کہ کیا تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ عوامی مینڈیٹ کو تسلیم نہ کئے جانے کے نتیجے میں آج صوبہ کی تقسیم کی باتیں زبان زد عام ہیں۔

کیا یہ مشرقی پاکستان کو پاکستان سے الگ کرنے کے بعد سندھ کو کاٹنے کی شروعات ہیں؟ ایسا ممکن ہے۔ کیونکہ مشرقی پاکستان کے لوگوں کے بعد پاکستان کے قیام کے سب سے بڑے مجرم تو صوبہ سندھ والے ہیں جہاں صرف سندھی ہی آباد نہیں بلکہ اقلیتی صوبے والے وہ مسلمان بھی آباد ہیں کہ جن کے ووٹ کے بغیر قیام پاکستان ناممکن تھا' کیا انہیں اپنے اس عظیم جرم کی سزا دی جائے گی؟ قیام پاکستان کے نتیجے میں لاکھوں افراد قتل ہوئے' ہزاروں عصمتیں لٹیں' اربوں کے املاک کو نقصان پہنچا اور لاکھوں افراد بے گھر ہوئے۔ یہی کچھ بنگلہ دیش کے قیام کے موقع پر ہوا۔ کیا یہی کچھ سندھو دیش یا کراچی کے فری پورٹ بننے کے نتیجے میں ہونے والا ہے؟

خدارا وہ تمام سیاسی جماعتیں اور قائدین جو حالات کو یہاں تک لانے کے ذمہ دار ہیں ذرا ایک لمحے کو رک کر سوچیں' غور کریں۔ اللہ تعالیٰ سبحانہ نے تمہاری فریاد کے نتیجے میں تمہیں ایک عظیم مملکت سے نوازا اور آزادی جیسی نعمت عطا کی۔ تم نے عہد شکنی کی۔ ملک کو اسلام کی بجائے سیکولرزم کے راستے پر لگایا قدرت نے تمہیں سزا دی۔ وہ عظیم مملکت خداداد ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ خدارا جو کچھ بچ گیا ہے اسے تو سنبھالو۔ اللہ سے کئے گئے اپنے وعدہ کو پورا کرو۔ خود اپنی ذات پر بھی اسلام کو نافذ کرو اور ملک میں بھی اسلامی نظام کو نافذ کرو۔ شاید قوم یونس علیہ السلام پر جس طرح اللہ تعالیٰ کو رحم آ گیا تھا تم پر بھی آ جائے اور سروں پر منڈلاتا ہوا عذاب ٹل جائے اور خدانخواستہ تم نے ایسا نہ کیا تو سن لو۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے پاکستان کے لوگو
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

بقیہ : مالاکنڈ

فائدہ اسمگلروں نے اٹھایا۔ پولیس اور دیگر سکیورٹی فورسز کی عدم موجودگی کے باعث ریاستی مشینری بالکل مفلوج ہو گئی تھی۔ جنگل کا قانون تھا۔ ان حالات کا اسمگلروں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ تمام ممنوعہ اشیاء جن میں بالخصوص لکڑی' اسلحہ اور منشیات کی اسمگلنگ اپنے عروج پر تھی۔ ضلع دیر کے تمام مخصوص روٹس پر بے تحاشا اسمگلنگ کی گئی۔ اسمگلروں نے موقع غنیمت جان کر دن رات ہر قسم کی اشیاء کی اسمگلنگ کی۔ بتایا جاتا ہے کہ ان چند دنوں میں کروڑوں کا کاروبار ہوا اور کئی افراد راتوں رات لاکھوں روپے کمانے میں کامیاب ہوئے۔ اس اسمگلنگ کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ایک طرف لوگ شریعت کی خاطر اپنی جان و مال کی قربانی دینے کے لئے تیار تھے اور اپنی جانوں کو داؤ پر لگائے مرنے مارنے پر تلے ہوئے تھے جبکہ دوسری طرف مفاد پرست لوگ سر پر ان کے سیاہ عمامے باندھے' دولت کمانے میں لگے ہوئے تھے۔ ان افراد کی وجہ سے تحریک نفاذ شریعت محمدی کی ساکھ متاثر ہوئی۔ آئندہ ایسے حالات میں تحریک مجاہدین کو ایسے لوگوں پر کڑی نظر رکھنی پڑے گی جو ان کے نام و ناموس پر بدنما داغ ہیں۔ حکومت اور انتظامیہ اپنے خفیہ ذرائع سے معلومات حاصل کر کے ان دنوں ہونے والے مذموم کاروبار کا ممکنہ حد تک احاطہ کرے اور ملزمان کو قرار واقعی سزا دے۔

پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

کوئی ہے جو اس سیلاب بلا کے سامنے بند باندھے!

محبوب الحق عاجز

پاکستان کا ہر شہری اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ پاکستان کا قیام اسلامی نظام اور ایک صالح معاشرے کے قیام کے لئے عمل میں آیا تھا۔ اس امر کا تقاضا تھا کہ قیام پاکستان کے بعد اسلامی نظام حکومت تشکیل دیا جاتا۔ ثانیاً عوام الناس کی اخلاقی تربیت' ان میں دینی سوچ پیدا کرنے اور حب الوطنی کا جذبہ بیدار کرنے کے لئے میڈیا کو اسلامی قدروں کا پابند بنایا جاتا۔ مگر افسوس ہے کہ اول الذکر کام کی طرف تو بجائے پیش قدمی کے مخالفانہ طرز عمل اختیار کیا گیا لیکن ثانی الذکر یعنی میڈیا کی اصلاح کے پہلو کو بھی نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ اور آج ہمارے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا بالخصوص ٹیلی وژن کی حالت اتنی ابتر ہو چکی ہے کہ اسے اب خالصتاً "اسلام دشمنی" اور حکومت دوستی کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ ایک منظم اور سوچی سمجھی سازش کے تحت ہمارے ٹیلی وژن پر مختلف اشتہارات' سٹیج پروگراموں' لچر فلموں اور اخلاق سوز ڈراموں کے ذریعے فحاشی' بے حیائی اور عریانی کے فروغ کی باقاعدہ تحریک چلائی جا رہی ہے۔

ہماری ان لچر فلموں کا نقشہ مدیر تکبیر نے یوں کھینچا ہے۔ "ہماری تمام پاکستانی فلمیں نہایت لچر بے ہودہ اور جنسی آوارگی کے مناظر پر مشتمل ہیں اور جس طرح پنجابی فلموں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا پنجاب کے حقیقی معاشرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح ان فلموں کے بارے میں بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کا پاکستان کے اصل معاشرے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ پاکستان کی ایسی تصویر ہے جسے شرمناک ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ کسی فلم میں چند آوارہ گرد نوجوانوں کا ٹولہ پیانو' ستار اور گٹار یا طبلے وغیرہ سے لیس ہو کر رقص کرتا' اچھلتا' کودتا اور لڑکیوں کے گرد منڈلاتا اور ان کے ساتھ خوش گپیاں کرتا دکھائی دیتا ہے۔ کسی فلم میں برقعہ پوش اور پردہ دار لڑکیوں کو محبت نامے پہنچانے' ان سے ربط و ضبط بڑھانے' گھروں کے اندر نقب لگانے اور فحش حرکات کا مظاہرہ کرنے کی باقاعدہ تربیت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بعض فلمیں طوائفوں کے مجروں کا سماں پیش کرتی ہیں .... ان فلموں کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ "اسلامی جمہوریہ پاکستان" مراثیوں' بھانڈوں' اوباش لڑکوں اور آوارہ لڑکیوں کا ملک ہے اور اس میں کلچر کی شائستہ حس مزاح اور مہذب جمالیاتی ذوق کا کہیں کوئی وجود نہیں۔"

اب تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ قاہرہ کی عالمی آبادی کانفرنس کے بعد اس تحریک کی طاقت میں مزید اضافہ کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اب پہلے سے کہیں زیادہ ٹی وی ڈراموں' سٹیج پروگراموں' فلموں اور مختلف مصنوعات کے اشتہاروں غرضیکہ تمام پروگراموں میں عورت کے حسن و جمال اور اس کے جسمانی نشیب و فراز کی بھرپور نمائش کے ذریعے اہل وطن کی ماؤں' بہنوں اور بیٹیوں کو عریانی اور بے پردگی کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ چادر اور چار دیواری کے تقدس کو مجروح کیا جا رہا ہے۔ نام نہاد آزادی نسواں کے نام پر عورت کو چراغ خانہ کے بجائے شمع محفل بنانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اسلامی ثقافتی میلوں کے نام پر غیر اسلامی ثقافتی میلوں کا انعقاد ہو رہا ہے اور انہیں براہ راست ٹی وی پر دکھایا جا رہا ہے۔ ان میلوں میں بھی مظلوم عورت ہے کیونکہ اسے ہی مرد کی آنکھوں کی تسکین کا سامان فراہم کرنا پڑ رہا ہے غرضیکہ عفت و عصمت' پاکیزگی اور پاکدامنی اور شرم و حیا کی وہ تعلیمات جن کا درس ہمیں اسلام نے دیا تھا' آج انہیں یکسر مٹانے کی تدبیریں ہو رہی ہیں۔

کیا یہی تھا نظریہ پاکستان؟ کیا اقبال نے پاکستان کا تصور اسی لئے دیا تھا؟ کیا بانی پاکستان کے خوابوں کی تعبیر یہی تھی؟ کیا مسلمان ماؤں' بہنوں اور بیٹیوں نے عصمتیں اسی لئے لٹائی تھیں؟ کیا ہمارے بزرگوں اور نوجوانوں نے جام شہادت اسی لئے نوش کئے تھے؟ کیا ہمارے مہاجر بھائیوں نے آگ اور خون کی ندیاں اسی لئے عبور کی تھیں؟ اگر ہمارے ان سوالوں کا جواب اثبات میں ہے تو پھر ٹیلی ویژن کا موجودہ کردار نظریہ پاکستان کے عین مطابق ہے' لیکن اگر ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو پھر ہم ارباب اقتدار سے پوچھ سکتے ہیں کہ اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے ملک میں غیر اسلامی ثقافت کا پرچار کیوں کیا جا رہا ہے؟ ٹی وی ڈراموں پر فحاشی' بے حیائی اور عریانی کا سیلاب کیوں لایا جا رہا ہے؟ آزادی نسواں کے نشے میں عورت کے حسن و جمال کی نمائش کر کے اس کی بے حرمتی کیوں کی جا رہی ہے؟ خواتین کا تقدس کیوں مجروح کیا جا رہا ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ معاشرے کی تعمیر میں عورت کا ایک خاص کردار ہوتا ہے مگر عورت یہ تعمیری کردار صرف اسی صورت میں ادا کر سکتی ہے جب اسے رحیم و شفیق ماں باحیا و شریف بہن' عفت مآب بیٹی اور بہترین رفیقہ حیات کے روپ میں پیش کیا جائے نہ کہ عریاں لباس میں ملبوس فلمی ایکٹرس یا ماڈل گرل کے طور پر۔ اسی طرح عورت معلمہ اور لیڈی ڈاکٹر بن کر یا کسی اور شعبے میں اسلامی قدروں کا لحاظ رکھتے ہوئے معاشرے میں اپنا تعمیری کردار ادا کر سکتی ہے۔ چنانچہ عورت کو ٹی وی ڈراموں میں اور فلموں میں ایکٹرس یا ماڈل گرل کے روپ میں پیش کرنے کو' کوئی محب وطن پاکستانی' سچا مسلمان تعمیری کردار قرار نہیں دے سکتا بلکہ یہ تو عورت کا تخریبی کردار ہے جو دراصل اہل مغرب اور ان کے حواریوں کی گہری سازش ہے جس کے تحت وہ الیکٹرانک میڈیا بالخصوص ٹیلی وژن کے ذریعے فحاشی' عریانی اور جنسی آوارگی کو پھیلا کر اسلامی ممالک کے مضبوط خاندانی نظام کو تباہ اور مستحکم معاشروں کو غیر مستحکم کرنا چاہتے ہیں۔ بعینہ وہی تباہی جس کا تماشا وہ اپنے معاشروں میں دیکھ چکے ہیں کہ جہاں مقدس رشتوں کی الفت و محبت اب قصہ پارینہ بن چکی ہے' جہاں خاندانی نظام مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے' جہاں معاشرتی استحکام کا دیوالیہ نکل چکا ہے' جہاں اخلاقی قدریں پامال ہو چکی ہیں' جہاں ذہنی سکون اور قلبی اطمینان انسان سے چھن چکا ہے' جہاں معاشرتی امن و امان کا جنازہ نکل چکا ہے۔

آخر یہ سب کیونکر ہوا؟ کیا یہ تباہی کسی اچانک حادثے کا ظہور ہے؟ جی نہیں' بلکہ یہ سب فحاشی و

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

آپریشن صومالیہ

ایک سفر---ایک قوم کی بربادی کی کہانی

رفیق ڈوگر کی کتاب کی تقریب رونمائی میں یہ تحریر ڈاکٹر اسرار احمد کی طرف سے

ان کے صاحبزادے حافظ عاکف سعید نے پڑھ کر سنائی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

میں آغاز کلام میں اپنی نااہلی اور بے بضاعتی کا اعتراف کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں ادب و فن کی دنیا سے قطعی نابلد ہوں اور اس کوچے میں بالکل اجنبی۔ میرے رفقاء و احباب جانتے ہیں کہ میں نہ اس قسم کی محفلوں میں شرکت کا عادی ہوں نہ اس طرح کسی کی فرمائش پر لکھنے کا خوگر! بلکہ اقبال کے اس شعر کے مصداق کہ "میں نہ عارف نہ مجدد' نہ محدث' نہ فقیہہ" اگر یہ کہا جائے کہ میں نہ ادیب ہوں' نہ شاعر' نہ نقاد اور نہ تبصرہ نگار' تو یہ غلط نہ ہو گا۔ تاہم جناب رفیق ڈوگر کے محبت بھرے اصرار اور برادرم اقتدار احمد کی سفارش کے پیش نظر کتاب اور اس کے چند مندرجات کے بارے میں اپنے تاثرات چند ٹوٹے پھوٹے جملوں میں بیان کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

اس موقع پر فاضل مصنف کا شکریہ ادا کرنا احسان ناشناسی کے ذیل میں آئے گا کہ جنہوں نے یہ کتاب لکھ کر ہمیں صومالیہ کے حالات اور ان کے پس منظر سے آگاہی حاصل کرنے کا موقع بہم پہنچایا۔ یہ کتاب جسے بیک وقت سفرنامہ بھی کہا جا سکتا ہے اور صومالیہ کے المناک حالات کی ایک جامع رپورٹ بھی' ہمارے لئے عبرت کا بہت کچھ سامان اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اور اگرچہ اپنے فنی محاسن کے اعتبار سے بھی یہ کتاب کچھ کم قدر و قیمت کی حامل نہیں ہے اور "قدر گوہر شاہ داند یا بداند گوہری" کے مصداق اس کے ادبی و فنی محاسن سے پورے طور پر آگاہ تو وہی لوگ ہوں گے جو ادبی و فنی نزاکتوں کو سمجھتے اور اس کوچے کے رمز آشنا ہوں' لیکن میری اس کتاب سے اصل دلچسپی اسی (عبرت کے) حوالے سے ہے۔

قرآن و حدیث کے ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کے ناتے میں اپنی گفتگو کے آغاز میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نہایت حکیمانہ قول کا حوالہ دینا چاہتا ہوں کہ "السعید من وعظ بغیرہ" باسعادت اور سمجھدار شخص وہی ہے کہ جو دوسروں کے حالات سے عبرت حاصل کرے۔ قرآن حکیم میں بنی اسرائیل کے حالات و واقعات اور یہود کے جرائم کا تفصیلی ذکر درحقیقت داستان عبرت کے طور پر ہی کیا گیا ہے۔ یہ سب دراصل ہماری سبق آموزی کے لئے تھا کہ اس آئینے میں ہم اپنی تصویر دیکھتے رہیں کہ کہیں ہم انہی فکری و عملی گمراہیوں کا شکار تو نہیں ہو رہے جن میں بنی اسرائیل ملوث ہوئے تھے اور ان کے انجام سے عبرت پکڑیں۔

ناشر: وید شنید پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۲۳ فضل منزل' بیڈن روڈ۔ لاہور
قیمت: ۱۴۰ روپے

فرنگ کی غلامی کے بوجھ تلے سسکتی' دو حصے میں بٹی ہوئی صومالی قوم کا ۱۹۶۹ء میں آزاد ہو کر ایک نئے عزم اور ولولے کے ساتھ متحد ہو کر ایک ملک کی شکل میں ڈھلنا اور پھر بیس اکیس برسوں میں خود اپنوں کے ہاتھوں اس کی وحدت کا پارہ پارہ ہو جانا جہاں سورۃ النحل کی وہ آیت یاد دلاتا ہے کہ "ولا تکونوا کالتی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثا" کہ اس بڑھیا کی مانند نہ ہو جانا جس نے اپنے بڑی محنت سے کاتے ہوئے سوت کی خود دھجیاں بکھیر دیں' وہاں قیام پاکستان کے حالات' انگریز سے آزادی ملنے کی خوشی' اس وقت کا جوش و خروش اور پھر چوبیس برس بعد سقوط ڈھاکہ کے خونچکاں واقعات کی یاد بھی دلاتا ہے کہ جس کی یاد آج بھی ایک بھیانک خواب کی طرح ہمیں پریشان کئے دیتی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ کے عذاب کی مختلف صورتوں کا ذکر ملتا ہے۔ رسولوں پر ایمان نہ لانے اور گمراہی و ضلالت کی راہ پر اڑے ہوئے رہنے کی پاداش میں بہت سی قوموں کو عذاب ہلاکت سے دوچار کیا گیا۔ کسی قوم کو سمندری طوفان میں غرق کیا گیا' کسی پر زلزلے کی آفت مسلط کی گئی' کسی کو زمین میں دھنسا دیا گیا' وغیرہ۔ فطرت کی تمام طاقتیں اللہ کے اختیار اور کنٹرول میں ہیں چنانچہ ظہور عذاب کے ان ظاہری اسباب و عوامل میں سے اللہ نے جس کو چاہا استعمال کیا۔ تاہم سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۶۵ کے حوالے سے اس ضمن میں ایک عجیب بات سامنے آتی ہے۔ فرمایا: "قل ھو القادر علی ان یبعث علیکم...." کہہ دو' اللہ اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیج دے تمہارے اوپر سے یا تمہارے قدموں تلے سے اور یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر دے اور پھر تمہیں ایک دوسرے کی جنگی قوت کا مزا چکھائے۔ یہ تیسری صورت بدترین عذاب کی ایک شکل ہے۔ صومالیہ کی المناک داستان جس کی نقشہ کشی رفیق ڈوگر نے اپنی کتاب میں کی ہے' عذاب کی اس تیسری صورت کی مکمل عملی تفسیر نظر آتی ہے۔

یہ سوال ذہنوں میں پیدا ہو سکتا ہے کہ قوموں پر اللہ کا عذاب کیوں آتا ہے اور بالخصوص کوئی مسلمان قوم کب اور کیوں اللہ کے قہر کا نشانہ بنتی ہے۔ یہ بات جان لیجئے کہ قوموں کے عروج و زوال کے جو اسباب فلسفہ تاریخ کے ماہرین نے معین کئے ہیں وہ یقیناً اپنی جگہ درست ہیں لیکن "خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی" کے مصداق امت مسلمہ کا معاملہ اس ضمن میں خصوصی نوعیت کا ہے۔ اس امت کے بارے میں میرے نزدیک حضرت عمرؓ سے مروی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول قول فیصل کا درجہ رکھتا ہے کہ "ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویضع بہ اخرین" اس کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان قوم کے عروج و زوال کا معاملہ اللہ کی کتاب اور دین حق کے ساتھ وفاداری پر موقوف ہے۔ اگر مسلمان قوم اللہ کی کتاب کے ساتھ تمسک اور اس کے دین کے ساتھ وفاداری کا معاملہ کرے گی تو ضرور بام عروج تک پہنچے گی لیکن اگر اس نے قرآن سے روگردانی کی اور دین حق سے غداری کا ارتکاب کیا تو لازماً قعر مذلت میں گر کر رہے گی۔ اقبال نے اسی حقیقت کو بڑے سادہ انداز میں بیان کیا ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

قرآن و سنت اور تاریخ کا جو تھوڑا بہت میرا مطالعہ ہے اس کی بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ آج پوری امت بحیثیت مجموعی اپنے عمل سے خود کو اللہ کے عذاب کا مستحق ثابت کر چکی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ

"ہم نے تو جنم کی بہت کی تدبیر۔ لیکن تیری رحمت نے گوارا نہ کیا" کے مصداق پوری امت پر عذاب الٰہی کا بالفعل ظہور ابھی نہیں ہوا۔ لیکن امت کے بعض حصے واضح طور پر عذاب الٰہی کی لپیٹ میں نظر آتے ہیں۔ عراق پر عذاب کا ایک بھرپور کوڑا برس چکا ہے لیکن عذاب کے بادل ابھی چھٹتے دکھائی نہیں دیتے' پورا عرب ورلڈ آج اسرائیل کے رحم و کرم پر ہے اور کوئی دیر کی بات ہے کہ یہودی ہیکل سلیمانی کی بازیافت کے لئے مسجد اقصیٰ کو مسمار کریں گے اور پورے مشرق وسطیٰ میں ہولناک جنگ کی بھٹی دہک اٹھے گی۔ بوسنیا میں مسلمانوں کی نسل کشی جس بڑے پیمانے پر ہو رہی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں' صومالیہ میں خانہ جنگی نے ملک کو تباہی کے جس آخری دہانے پر لا کھڑا کیا ہے اس کے احوال سے آپ سب بخوبی واقف ہیں' خود پاکستان پر عذاب الٰہی کا ایک کوڑا سقوط مشرقی پاکستان کی صورت میں برس چکا ہے اور آج بھی صورت حال کچھ کم تشویش ناک نہیں' اندرونی طور پر خانہ جنگی اور بیرونی طور پر بھارتی جارحیت کا شدید خطرہ سروں پر منڈلا رہا ہے۔ ہمارا اصل جرم یہ ہے کہ ہم اللہ کی کتاب اور اس کے دین کے ساتھ غداری کے مرتکب ہوئے ہیں۔ پچاس سے زائد اسلامی ممالک آج دنیا کے نقشے پر موجود ہیں اور ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کو آزاد ہوئے اب نصف صدی ہونے کو آئی ہے لیکن انتہائی افسوسناک اور قابل رنج بات یہ ہے کہ کسی ایک ملک میں بھی نظام اسلام غالب و نافذ نہیں ہے! دین حق کہیں نافذ نہیں' ہر جگہ سیکولرازم کا سکہ رواں ہے۔ جاگیرداری' سرمایہ داری اور سودی معیشت کی لعنت ہر جگہ مسلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے حالات میں کوئی مثبت اور پائیدار تبدیلی صرف اس وقت آسکتی ہے جب ہم دین حق کو صحیح معنوں میں نافذ قائم کر دیں۔ ورنہ خاکم بدھن شدید اندیشہ ہے کہ "آج وہ کل ہماری باری ہے" کے مصداق مسلم ممالک یکے بعد دیگرے عذاب الٰہی کا نشانہ بنیں گے۔ اعاذنا اللہ من ذلک

آپریشن صومالیہ کے مطالعے سے جہاں یہ شک یقین میں بدلنے لگتا ہے کہ اقوام متحدہ کی حیثیت امریکہ کی ایک زر خرید کنیز سے زیادہ نہیں اور یہ ادارہ پورے طور پر امریکہ کا آلہ کار بنا ہوا ہے وہاں اس ذلت و رسوائی کی تفصیل پڑھ کر بے اختیار سر شرم سے جھکنے لگتا ہے جس کا داغ صومالیہ میں اپنی فوج بھیج کر خود ہم نے اپنے ہاتھوں اپنی پیشانی پر لگایا ہے۔ کرائے کے فوجی ہونے کا طعنہ آج ہمیں اپنے مسلمان بھائیوں سے سننا پڑ رہا ہے۔ پھر پاکستان اور اس کی فوج کو ذلیل کرنے کے جو جو حربے صومالیہ میں امریکہ اور یونیسام کے ادارے اور ان کے حلیف یورپی ممالک اختیار کر رہے ہیں اس کی تفصیل جان کر شدید صدمہ ہوتا ہے کہ وہاں نہ صرف یہ کہ پاکستانی فوج کو اس طور سے استعمال کیا جا رہا ہے کہ زیادہ سے زیادہ جانی نقصان پاکستانی فوج ہی کا ہو بلکہ اس بات کا بھی شعوری طور پر اہتمام کیا جاتا ہے کہ تمام تر بدنامی بھی پاکستان ہی کے کھاتے میں آئے۔

اور قومی سطح پر ہماری بے غیرتی کا عالم یہ ہے کہ امریکہ کی خوشنودی کے حصول کے لئے ہر ذلت ہمیں گوارا ہے۔

پہلے ہی اپنی کون سی ایسی تھی آبرو
پر شب کی منتوں نے تو کھو دی رہی سہی!

یوں تو پوری ملت اسلامیہ آج دنیا میں ذلت و رسوائی کا نشان بنی ہوئی ہے لیکن بالخصوص پاکستان کے حصے میں تو عزت و وقار نام کی کوئی شے اب باقی نہیں ہے ہم کہ "عزت" نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے"! یہاں میں پھر قرآن مجید کی ایک آیت کا حوالہ دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۸۵ میں یہود کے اس طرز عمل پر بڑے سخت انداز میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جسے آج ہم پورے طور پر اختیار کئے ہوئے ہیں۔ یعنی دین کے بعض احکامات پر عمل کرنا اور بعض کو مستقلاً نظر انداز کر دینا۔ کہ نماز روزے کا اہتمام بھی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ سود بھی ھنیئا مریئا کھایا جا رہا ہو اور معاشی میدان میں ڈٹ کر اللہ کے احکام کی خلاف ورزی ہو رہی ہو۔ فرمایا "فما جزاء من یفعل ذلک الا خزی فی ..." کہ تم میں سے جو کوئی ایسی حرکت کرے اس کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں اسے ذلیل و خوار کر دیا جائے اور آخرت میں شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے۔ یہ آیت ہمیں ایک آئینہ فراہم کرتی ہے جس میں ہم اپنی تصویر بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔

مسلمانان پاک و ہند کے بارے میں یہ بات صحیح طور پر کہی جاتی تھی کہ ان کا دل پوری ملت اسلامیہ کے ساتھ دھڑکتا ہے اور وہ اس شعر کے مصداق کامل ہیں کہ۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

چنانچہ یہ امر واقعہ ہے کہ ۱۹۲۴ء میں جب ترکی میں خلافت کا خاتمہ ہوا تو اس درد کی کسک سب سے زیادہ مسلمانان برصغیر نے محسوس کی۔ پوری دنیا میں یہ واحد خطہ زمین تھا جہاں خلافت کی تحریک چلائی گئی۔ لیکن آج ہماری شامت اعمال نے یہ دن بھی ہمیں دکھایا کہ امریکہ کے اشارے پر ہم دوسرے اسلامی ممالک میں جا کر اپنے مسلمان بھائیوں کو اپنی گولیوں سے بھون رہے ہیں۔ یہ دن ہمیں اس لئے دیکھنا پڑا کہ اللہ کے در کو چھوڑ کر ہر ایرے غیرے کے در پر کشکول بدست دستک دے رہے ہیں اور اس قرآنی وعدے کو دانستہ فراموش کئے بیٹھے ہیں کہ جس میں ایک شدید انتباہ بھی مضمر ہے: "ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذالذی ینصرکم من بعدہ" کہ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو کوئی تم پر غالب نہ آسکے گا اور اگر اس نے تمہاری پشت پناہی سے ہاتھ کھینچ لیا تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کو آسکے! یہاں اللہ کی نصرت سے مراد اس کے دین کی نصرت اور اس کے کلمے کی سربلندی ہے۔

آپریشن صومالیہ کے مطالعے سے عبرت کا یہ پہلو بھی بہت روشن ہو کر سامنے آتا ہے کہ "بے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات۔" اغیار کسی کے کاشانے پر تبھی حملہ آور ہوتے ہیں جب اہل خانہ کے مابین نااتفاقی پیدا ہو جائے اور وہ آپس میں لڑ بھڑ کر کمزور ہو چکے ہوں۔ امریکہ اپنے مفادات کی خاطر صومالیہ میں بحری اور فضائی اڈے حاصل کرنے کا خواہش مند تھا' صومالیہ کے باشندوں نے اپنی نااہلی اور نااتفاقی سے اسے اس کا موقع فراہم کر دیا۔

صومالیہ کے لوگوں نے خود اپنے پاؤں پر کس طرح کلہاڑی ماری؟ اس کی جو تفصیل فاضل مصنف نے پیش کی ہے وہ ہمارے سیاستدانوں اور فوج کے سربراہوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ طول اقتدار کی ہوس نے ایک عظیم قومی رہنما کو چند سالوں کے اندر اندر کس طرح اپنی قوم کا قاتل بنا کر چھوڑا' قبائلی عصبیت اور خانہ جنگی نے کس طرح ایک ہنستے بستے ملک کو تباہی و بربادی کے آخری کنارے تک پہنچا دیا' ذاتی و شخصی مفادات کے حصول کی خود غرضانہ دوڑ نے ایک گلشن کو کس طرح ویرانے میں تبدیل کیا اور پھر غیروں نے کس طرح اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا اور اپنا الو سیدھا کرنے کی خاطر کیا کیا حربے آزمائے' یہ تلخ داستان پوری تفصیل کے ساتھ اس

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

تراشے

کراچی کا منظر باہر سے کیسا نظر آتا ہے ؟

کراچی کو بچانے کے لئے کوئی ایک منصوبہ کافی نہیں

حکومت اور قانون نے لاقانونیت کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں

آج کراچی ایشیا کے خطرناک ترین شہروں میں شمار کیا جانے لگا ہے جہاں کسی کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ یہاں کسی مہمان کو خوش آمدید کہتے ہوئے بھی دل لرزتا ہے۔ ایک برطانوی آئل انڈسٹری کے کے پینتالیس سالہ مشیر کو جس روح فرسا حادثہ سے گزرنا پڑا وہی اس کے لئے زندگی بھر اس ملک کی شناخت بنا رہے گا۔ کراچی کے جناح ایئرپورٹ پر اترنے کے ایک گھنٹے کے اندر اسے بعض مسلح افراد نے اغوا کیا اور خوش قسمتی سے اس کے پاس کوئی قیمتی چیز برآمد نہ ہونے پر اغوا کار اسے ویرانے میں بے یارو مددگار چھوڑ گئے۔ مسلح صف آرائی' لٹیروں کی تہلکہ خیزی' تصادم سے بدحال ایک کروڑ کی آبادی پر مشتمل پاکستان کا یہ سب سے بڑا میٹروپولیٹن شہر تشدد کی لہر پر قابو پانے کے لئے ہاتھ پیر مار رہا ہے۔ اس مسئلہ کے اسباب کسی حد تک افغانستان کی جنگ میں تلاش کئے جا سکتے ہیں' جب کابل میں روس نواز حکومت کے خلاف لڑنے والے مجاہدین کو اسلحہ کی فراہمی کے لئے امریکہ اور اس کے حامی ممالک کراچی کو عبوری نقطے کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ بہت سے اسلحے کراچی میں رہ گئے اور وہ جرائم پیشہ افراد اور مختلف اسلامی فرقوں سے وابستہ جنگجوؤں کے ہاتھ لگ گئے جو ان اسلحوں کو امن دشمن مقاصد اور خونریزی میں استعمال کرتے رہے ہیں۔ گزشتہ ڈھائی ماہ کے اندر ان افراد کے ہاتھوں فائرنگ میں ۱۶۶ اشخاص ہلاک اور تقریباً دو سو زخمی ہو چکے ہیں۔

کراچی کے اخبارات بلاناغہ قتل و خون کے واقعات سے بھرے ہوتے ہیں۔ چند ہفتے پہلے کی بات ہے کہ لیاقت آباد کی ایک سڑک پر خودکار اسلحے سے گولیوں کی بوچھاڑ کے نتیجے میں سات افراد بیک وقت ہلاک ہو گئے۔ یہ حادثہ مسلمانوں کی نمائندہ سیاسی جماعت مہاجر قومی موومنٹ کے اندر حریف گروہوں کے درمیان محاذ آرائی کی تازہ ترین کارروائی تھی۔ صرف اس سال کے دوران مہاجر قومی موومنٹ کے اندرونی اختلافات سے پیدا شدہ تصادمات میں' جن میں گھر کی چھتوں پر سے ایک دوسرے پر فائرنگ اور گولہ بارود سے حملہ شامل ہے' سو سے زیادہ جانیں تلف ہو چکی ہیں۔ ابھی حال ہی میں شیعہ اور سنی مسلکوں کی نمائندہ سپاہ صحابہ اور تحریک جعفریہ پاکستان کے درمیان صف آرائی سے کم و بیش ساٹھ زندگیوں کا خراج وصول کیا۔ مہاجر قومی موومنٹ اور شیعہ و سنی فرقوں کے درمیان مسلح مقابلوں سے صورتحال سنگین تر ہو گئی۔ یہاں تک کہ ایک ایک ہسپتال میں زیر علاج مریض بھی بے لگام تشدد کی زد میں آ گئے۔ گویا کہ لاقانونیت کے آگے حکومت اور قانون کی مشینری نے ہتھیار ڈال دیئے۔

اسی اثنا میں ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ بیباکی سے دندناتے ہوئے لٹیرے بندوق دکھا کر ایک دن میں پانچ چھ کاریں چھین کر چلتے بنے یا کسی دولت مند تاجر کو اغوا کر لیا۔ کلفٹن اور ڈیفنس جیسے بارونق علاقوں میں ان لٹیروں کی قلعہ نما اور محفوظ پناہ گاہیں ہیں۔ پولیس یا تو ان کے سامنے خود کو بے بس محسوس کرتی ہے یا تشدد پر قابو پانے میں دلچسپی نہیں رکھتی۔ پولیس کی ایسی کسی کوشش سے باز رکھنے کی خاطر ہی غالباً ان لٹیروں نے گزشتہ ماہ تین سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے علاوہ کئی افراد کو بری طرح زخمی بھی کر دیا تھا۔ ملک کے سب سے بڑے تجارتی مرکز کی اقتصادیات کے مفلوج ہو جانے کے خوف سے وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے کراچی بچاؤ مہم کے تحت سرکاری اور نجی سرمایہ کاری کے لئے چار بلین ڈالر کے ایک پیکج کا اعلان کیا تھا۔ اختیار سے باہر نکلتی ہوئی میونسپل حکومت کی تشکیل نو کے ساتھ ساتھ اس پروگرام میں شہر میں بجلی بنانے کی بھی یقین دہانی کی گئی تھی۔ لیکن جیسا کہ خود وزیر اعظم نے اعتراف کیا کہ موجودہ حکومت کے سامنے سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ کراچی میں مکمل امن و امان بحال کیا جائے۔ کیونکہ دوسرے علاقوں کی ترقی و خوشحالی کا دارومدار بھی اسی پر ہے۔

اس میں بھی شک نہیں کہ کراچی کی عام زندگی اس سال سانسوں میں آئے دن' بجلی کے غائب ہونے' سیلاب کی تباہ کاری اور پانی کی آلودگی کے باعث معطل ہو کر رہ گئی تھی۔ مزید برآں بڑھتے ہوئے جرائم کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ملک میں بیروزگاری کا تناسب تیس فیصد ہے اور ایسے بہت سے نوجوان ہیں جنہیں اپنی گزر اوقات کے لئے کوئی مجرمانہ پیشہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔

امن و قانون کی دن بدن خراب ہوتی ہوئی صورت حال کے ازالے کے لئے کوئی مثبت اقدام کرنے کی غرض سے بے نظیر بھٹو نے شہری رہنماؤں اور فوجی افسران کی ایک میٹنگ طلب کی تھی۔ میٹنگ میں انہوں نے اعلان کیا کہ ۲۳ ہزار افراد پر مشتمل پاکستان رینجرز کی سرحدی حفاظتی فورس کراچی کی سڑکوں پر گشت کرے گی تاکہ آئے دن کی خانہ جنگی جیسے حالات کا خاتمہ ہو سکے۔ فوجی اور شہری حلقوں میں مختلف قیاس آرائیوں اور اندیشوں کے درمیان سرحدی فورس کے نوجوانوں اور پولیس نے مل کر کراچی کے تین سب سے زیادہ انتشار زدہ اضلاع کی ناکہ بندی کر کے وہاں گھر گھر تلاشی لی اور اس کارروائی کے دوران صرف ایک علاقے سے سو رائفلیں اور گولہ بارود برآمد کیا گیا۔ اگر کراچی کے بعض باشندے سوچتے ہوں کہ قومی مہاجر موومنٹ کے حریف گروہوں اور شیعہ سنی مسلکوں کی جنگ صرف ان تک ہی محدود ہے تو یہ خیال درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ دیگر بہت سے خطرات سر اٹھار

رہے ہیں' مثلاً یہ کہ رہزنی کے واقعات میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک معروف زمین دار خاندان کے فرد سردار شیرباز مزاری کے قول کے مطابق بہت سے لٹیرے تو سابق پولیس والے ہیں' جن کو ۱۹۸۸ء میں صدر ضیاء الحق کی وفات کے بعد مارشل لاء ہٹائے جانے پر چھٹی دے دی گئی تھی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایئر پورٹ کی واردات میں ملوث افراد میں سے تیرہ پولیس والے بھی شامل تھے۔ ان کی عمومی حکمت عملی یہ ہوتی ہے کہ کسی کار سوار کو روک کر اس میں سوار ہو جاتے ہیں اور اسے اپنے گھر تک کار چلواتے ہوئے لاتے ہیں۔ گھر کے باہر تعینات چوکیدار یا ملازم کو ان میں سے چند افراد اپنے قابو میں کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد زیادہ موٹی "آسامی" ہونے کی صورت میں وہ مالک مکان کو باندھ کر گھر میں ڈال دیں گے' تمام قیمتی اشیاء پر ہاتھ صاف کر کے بیوی بچوں کو اغوا کر لیں گے تاکہ ان کی رہائی کے عوض رقم کا مطالبہ کیا جا سکے۔

اس نوعیت کے اغوا کے کئی واقعات ہو چکے ہیں۔ شہر کے تاجر طبقوں اور شہری رہنماؤں کے خاندان سے تعلق رکھنے والے ایسے کئی افراد ہیں کہ جنہوں نے اپنے ذاتی تجربات اس سلسلے میں بیان کئے ہیں۔ کئی ماہ پہلے صوبہ سندھ کے سابق چیف سیکریٹری کنور ادریس اور ان کی بیوی کو ان کی کار میں اغوا کیا اور ڈاکوؤں کی کاروں کے گھیرے میں تین گھنٹے تک انہیں کراچی کی انہی سڑکوں پر گھمایا گیا جن پر حفاظتی پولیس کا کڑا پہرہ تھا۔ اس کے بعد انہیں گھر پہنچایا گیا لیکن گھر کا سامان لوٹ لیا گیا۔ ان حالات میں جب سر پر ہر وقت خطرے کی تلوار لٹک رہی ہو کراچی کے خوشحال گھرانے پنجاب کے مرکز لاہور یا پھر بیرونی ممالک کا رخ کر رہے ہیں۔ مشہور صنعت کار علی حبیب نے بھی اپنی بیوی بیٹی اور بیٹے کو کینیڈا منتقل کر دیا ہے۔ جہاں کم از کم یہ فکر تو لاحق نہیں رہے گی کہ بچے باہر گئے ہوئے ہیں تو کیا خبر واپس آئیں گے بھی یا نہیں۔OO "ملی ٹائمز انٹرنیشنل۔ نئی دہلی"

مالاکنڈ ڈویژن میں نفاذِ شریعتِ محمدی ﷺ کی معرکہ آرائی

اس کی آڑ میں سمگلروں نے خوب مزے اڑائے

مقامی اخبار پندرہ روزہ "دیر نیوز" تیمر گرہ کی دو رپورٹیں

تیمر گرہ (نمائندہ دیر نیوز) امیر تحریک نفاذ شریعت محمدی کے امیر مولانا صوفی محمد کی ہدایت پر مجاہدین مورچے چھوڑ کر گھروں کو واپس چلے گئے۔ ۸ نومبر کی شام پانچ بجے امیر تحریک تیمر گرہ گورگوری چوک پہنچے جہاں موجود افراد نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ مولانا صوفی محمد پبلی ٹیکسی نمبر ۸۲۹۳ ڈی آئی آر میں سوار تھے۔ ان کے ہمراہ جلوس میں فرنٹیئر کور کے ۱۹ میجر جنرل فضل غفور اے سی تیمر گرہ اور دیگر افراد تھے۔ بلامبٹ کالونی کے بنک چوک پر ڈی سی دیر خضر حیات موجود تھے لیکن جلوس دیکھ کر وہ واپس چلے گئے۔ مولانا صوفی محمد نے نماز مغرب دیر سکاؤٹ کے پانچ کوڑہ سٹیڈیم میں ادا کی جہاں انہوں نے مختصر خطاب کیا اور پھر کالج کے لئے روانہ ہو گئے جہاں ان کا شاندار استقبال ہوا۔ مولانا صوفی محمد نے کالج کی مسجد کے لاؤڈ سپیکر سے مجاہدین سے خطاب کیا۔ آپ نے تمام مجاہدین کے جذبہ جہاد کو سراہا اور حالات کی مناسبت سے جوش کے بجائے ہوش سے کام لینے کی ضرورت پر زور دیا۔ اسلام کو امن و سلامتی کا دین کہا اور تحریک کو شرپسند تخریب کار اور ملک دشمنی کی تہمت سے بچانے کی ضرورت کا احساس دلایا لہٰذا اس صورتحال میں انہوں نے کہا کہ آپ تمام مجاہدین اپنے مورچوں سے اتر آئیں' تمام راستوں سے رکاوٹیں ہٹا دیں' تمام قیدیوں اور یرغمالیوں کو رہا کر دیں اور اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ مولانا صاحب نے جنرل صاحب کے کردار اور جذبہ اسلامی کو سراہا کہ انہیں باوجود اس کہ احکامات ملے تھے کہ تحریک کو شدت سے کچل دیا جائے لیکن انہوں نے حکمت تدبیر اور پرامن طریقے سے مسئلے کے حل پر زور دیا اور اس میں ہماری تحریک ملک و قوم اور عوام کی بہتری ہے۔ مولانا صاحب نے تمام قیدیوں اور امن و امان کے قیام تک واپس گھر نہ آنے کا اعلان کیا۔ ان کی تقریر کے فوری ردعمل میں لوگوں نے مایوسی اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا لیکن مولانا صاحب کی تقریر اپنا اثر دکھا گئی۔ جلد ہی لوگوں نے مولانا صاحب کی بات مان لی اور واپسی کی حامی بھر لی۔ اس موقع پر مورچوں میں موجود مجاہدین کی نمائندوں کی شوریٰ کا اجلاس ہوا جس میں تند و تیز اختلافی آراء کے بعد مولانا صاحب کے احکام کی تعمیل کا اعلان کیا۔ اگرچہ چند لوگوں نے شدت سے اس کی مخالفت کی تھی۔ قریبی مجاہدین فوراً گھروں کو لوٹ گئے جبکہ دور دراز سے آئے ہوئے مجاہدین اگلے روز واپس ہوئے۔ تمام بند راستے کھول دیئے گئے اور یرغمالیوں کو رہا کر دیا گیا۔ دوسرے روز صبح سویرے بازار کھل گئے اور کاروبار زندگی معمول پر آ گیا' لاقانونیت اور بدامنی کی فضاء ختم ہو گئی' خوف و دہشت اور ممکنہ تصادم کا خطرہ ٹل گیا۔ مولانا صاحب کی تقریر اور فیصلوں پر متضاد آراء سامنے آئیں۔ کچھ حلقوں نے مولانا صاحب کے مصالحت آمیز انداز کو دور اندیشی اور صحیح سمت میں قدم ٹھہرایا اور ضلع دیر کو ممکنہ خون خرابہ سے بچانے پر انہیں خراج تحسین پیش کیا کہ ان کے چند جملوں نے لاقانونیت اور بدامنی کی آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔ مولانا صاحب کی شخصیت و کردار کا یہ کمال تھا کہ ان کی تحریک کے ساتھیوں نے نظم و ضبط کا فقید المثال مظاہرہ کرتے ہوئے امیر کی اطاعت کا فیصلہ بلا پس و پیش قبول کر لیا۔ اگرچہ یہ فیصلہ انکے جذبات اور امنگوں کے خلاف تھا لیکن مولانا صاحب کی خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے مورچے چھوڑنے کا مشکل فیصلہ کیا۔ دوسری طرف کچھ سیاسی پارٹیوں کے اسمبلی کے سابقہ ممبران اور امیدواران کی جانب سے مولانا صاحب کے فیصلے پر تنقید سامنے آئی ہے۔ ان میں سے اکثر کا موقف یہ تھا کہ حکومت کے خلاف مجاہدین کو ڈٹ جانا چاہئے اور شریعت یا شہادت کے نعرے کا پاس رکھنا چاہئے تھا۔ اپوزیشن کے کچھ لوگ اور بعض دوسرے حلقے بھی ایسا ہی چاہتے تھے۔

☆ ☆ ☆

تیمر گرہ (بیورو رپورٹ) مالاکنڈ ڈویژن میں جاری محاذ آرائی اور لاقانونیت کی فضاء سے سب سے زیادہ

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

اصلاح رسوم کی تحریک کا جاری رہنا بڑی عزیمت کا کام ہے

محمد سمیع

داعی کی معمولی غلطی بھی قابلِ معافی نہیں ہوتی

ہمیں مل جل کر ایک مثالی معاشرہ قائم کرنا چاہئے

تنظیم اسلامی وطن عزیز میں اقامتِ دین کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ اگر اللہ کرے کہ کسی مبارک زمانے میں ہماری جدوجہد کامیابی سے ہم کنار ہو جائے تو ہمیں توقع ہے کہ اس کے نتیجے میں ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا جس میں عدل و قسط پر مبنی نظام قائم ہوگا اور ظلم کی ہر شکل مٹ جائے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک عظیم جدوجہد ہے لہٰذا اسی تناسب سے رفقاء کی ذمہ داریاں عظیم ہیں اور ان ذمہ داریوں میں اولین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ خود اپنے افراد خاندان کے ساتھ ہر اس کام سے بچے جو ظلم کے زمرے میں آتا ہو۔ فی زمانہ افراد معاشرہ نے خود کو ظلم کے اس شکنجے میں جکڑ لیا ہے جس کو نئے نئے رسوم کی ایجاد کہتے ہیں۔ اسلام رسوم جاہلیت کو مٹانے کے لئے آیا تھا اور آج مسلمان رسوم و رواج کے علمبردار بنے ہوئے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر کوئی اور ظلم کرے تو وہ سراپا احتجاج بن جاتا ہے۔ لیکن نت نئے رسوم کی پیروی کی شکل میں آج انسان خود پر جو ظلم کر رہا ہے اس سے اسے تکلیف بھی نہیں ہوتی بلکہ اس ظلم کے ارتکاب کے لئے اسے قرض اور احسانات کے بوجھ تلے بھی دبنا پڑے تو وہ اس کے لئے اپنی تمام مساعی صرف کر دیتا ہے۔ گویا کہ وہ اس شعر کی عملی تصویر بن جاتا ہے کہ

اتنے مانوس صیاد سے ہو گئے اب
رہائی ملی بھی تو مر جائیں گے

شادی بیاہ کے موقع پر رسومات کی جو بھرمار ہوتی ہے وہ اسی نوع کا ظلم ہے جو لوگ اپنے آپ پر کر رہے ہیں۔ تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد نے شادی بیاہ کی رسومات سے اجتناب کے لئے یہ طے کیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی شادی اسی طریق پر کریں گے جس کی ہمارا دین اجازت دیتا ہے۔ لہٰذا ان کے تمام لڑکوں اور لڑکیوں کی شادیاں نہایت سادگی کے ساتھ مسجدوں میں انجام پائیں۔ نہ کوئی بارات آئی اور نہ گئی کہ مسلمانوں میں یہ رسم ہندو معاشرے سے در آئی ہے' نہ انہوں نے اپنی بیٹیوں کی شادی کے موقع پر مہمانوں کو کھانا کھلایا اور نہ اپنے بیٹوں کی شادی کے موقع پر لڑکی والوں کے گھروں پر اپنے مہمانوں کو کھانے کے لئے مدعو کیا' نہ اپنے بیٹوں کے لئے کوئی جہیز قبول کیا اور نہ ہی اپنی بیٹیوں کے لئے کوئی جہیز دیا کہ ان سب چیزوں کا ہمارے دین میں کوئی مقام نہیں۔ اس کے برعکس انہوں نے اپنے عقیدت مندوں پر بھی یہ بات واضح کر دی کہ وہ ان کے ہاں شادی کے موقع پر خطبۂ نکاح نہیں پڑھائیں گے جہاں بارات کا اہتمام ہوگا اور لڑکی والوں کے ہاں کھانا ہوگا اور آج تک وہ اپنے اس فیصلہ پر قائم ہیں۔

اگر کوئی عمل خلوص نیت کے ساتھ کیا جائے تو اس کے مثبت نتائج لازماً سامنے آتے ہیں۔ لہٰذا اصلاح معاشرہ کے اس اقدام نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی اور جو لوگ اقامتِ دین کی جدوجہد میں ان کے ساتھ شریک ہیں انہوں نے بھی اپنے امیر کی اتباع شروع کر دی۔ جو عمل تحریک کی صورت اختیار کرے اگر اس میں کہیں کوئی ضعف پیدا ہو جائے تو لوگ اس معاملے میں خاصے حساس رویئے کا اظہار کرتے ہیں۔ یہی وہ جذبہ تھا جس کے تحت تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کے موقع پر ہمارے ایک ساتھی نے ان لوگوں کے رویئے کی شکایت کی جو اس پر عمل پیرا ہونے سے کسی بناء پر محروم رہ گئے۔

دین کے داعی کی پوزیشن بھی بڑی نازک ہوتی ہے۔ اس کے طرز زندگی پر لوگوں کی نگاہیں چھلنی کی طرح لگی ہوتی ہیں۔ عام آدمی بڑی سے بڑی غلطی کر جائے تب بھی لوگ اسے نظرانداز کر دیتے ہیں لیکن ایک داعی کی معمولی سی غلطی کو بھی لوگ "سوئی کا بھالا اور بد رو کا نالہ" بنا دیتے ہیں۔ لہٰذا ہر داعی کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے ہر قدم کو پھونک پھونک کر رکھے۔ ایسے میں ہمارے ساتھی کا شکوہ بے جا نہیں تھا۔ لیکن بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو اگر ہم مدنظر رکھیں تو ہم ایسے افراد کو جو اس ضمن میں کوتاہیوں کے مرتکب ہو رہے ہیں کچھ Allowance دینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ معاشرے میں جن رسومات و بدعات کا طومار ہے اس سے بچنے کے لئے عزیمت درکار ہے اور ہر شخص صاحب عزیمت نہیں ہوتا۔ ہر تحریک میں صاحب عزیمت افراد کی تعداد قلیل ہوتی ہے۔ تنظیم اسلامی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ لہٰذا ایسے میں اگر سالہا سال میں پہلی مرتبہ یہ شکایت سامنے آئی ہے تو اس پر ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ہم میں صاحب عزیمت افراد کی اگر بہتات نہیں تو کمی بھی نہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن افراد میں عزیمت کی کمی ہے ان کی اس کمی کو کس طرح دور کیا جائے۔ قرآن کریم میں جہاں یہ ارشاد ربانی ہے کہ تم وہ خیر امت ہو جو لوگوں کے لئے برپا کی گئی ہے تاکہ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دو' برائی سے روکو اور اللہ پر پختہ ایمان رکھو' وہاں یہ بھی حکم موجود ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔ یعنی اگر کسی بناء پر امت اپنے اس فریضہ کی ادائیگی سے غفلت برتنے لگے تو اس امت کے اندر ایک ایسی امت ضرور ہونی چاہئے یعنی ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو خیر کی طرف بلائے' نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس مادہ پرستی کے دور میں جبکہ لوگوں کی زندگی کا ہدف زیادہ سے زیادہ پیسے کما کر اپنے وسائل میں اضافہ کرنا ہے' جس کے نتیجے میں وہ ایک خوشحال زندگی بسر کر سکیں۔ ایسے معاشرے میں اس قسم کی اصلاحِ رسوم کی تحریک کا جاری رہنا بڑی

عزیمت کا کام ہے۔ یہ "ذالک من عزم الامور" والی بات ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ معاشرے کے اندر ایک ایسا معاشرہ پیدا کیا جائے جو اس تحریک کو کامیابی کے ساتھ چلانے کا عزم رکھتا ہو۔ تنظیم اسلامی کے رفقاء مل کر ایسا معاشرہ قائم کر سکتے ہیں۔ لیکن سالانہ اجتماع کے دوران یہ شکایت بھی آئی ہے کہ تنظیم اسلامی کے رفقاء کے درمیان "رحماء بینھم" کی کیفیت نہیں پائی جاتی' جو ایک صالح معاشرہ کا بنیادی پتھر ہوتی ہے۔ لہٰذا سب سے پہلا کام تنظیم کے رفقاء اور ذمہ داران کا یہ ہے کہ وہ جائزہ لیں کہ آخر اس کمی کی کیا وجہ ہے۔ جب ہم ایک ہی مقصد کے لئے اکٹھا ہوئے ہیں جو دنیا کا اعلیٰ ترین مقصد ہے یعنی رضاء الٰہی کا حصول تو ہم مقصد ساتھیوں میں اس کیفیت کا پیدا نہ ہونا ایک تشویشناک بات ہے۔ ہمیں غور کرنا چاہئے کہ اللہ کے لئے آپس میں ملنے والوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نوید سنائی ہے وہ ہمیں کیوں حاصل نہیں۔ اس کی وجوہات کو جان کر ہی ہم آگے قدم بڑھا سکتے ہیں۔

بہرحال یہ ضروری ہے کہ تنظیم اسلامی کے رفقاء آپس میں مل کر ایک ایسا معاشرہ قائم کریں جس میں اس معاشرے کی جھلک موجود ہو جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپس میں مل کر برپا کیا تھا۔ جس دن ہم اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گئے شادی بیاہ کے رسوم کی اصلاح میں عملی طور پر عدم شرکت کا موقع ہی نہیں رہے گا ورنہ اپنے تمام تر خلوص کے باوجود ہمیں یہی سننے کو ملے گا کہ معاشرے میں مؤثر حیثیت رکھنے کی بناء پر کچھ لوگوں کو اس پر عمل کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی لیکن ایسے افراد کو جو معاشرے میں ممتاز مقام نہ رکھتے ہوں اس پر عمل کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ اول تو اسے اس کام کے لئے ہم کفو رشتے ان شرائط پر اپنی بیٹیوں کے لئے نہیں مل سکتے کیونکہ یہ معاشرے کا چلن نہیں ہے اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی جائے تو کہنے والے یہی کہیں گے کہ اس نے اپنی بیٹی کی شادی پر انتہائی بخل سے کام لیا ہے۔

مواخات کا ماحول پیدا کرنے کی ضرورت ہے' بجائے اس کے کہ گلے شکوے کئے جائیں۔ اور یہ اس صورت میں ہی ممکن ہے جب ہم زبان' علاقے اور برادری کے خول سے باہر آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔OO

بقیہ : ہمارے ذرائع ابلاغ

عریانی کی ترویج و اشاعت اور نام نہاد انفرادی آزادی کا نتیجہ ہے۔ کیا اب ہم بھی اسی ڈگر پر چل کر اپنے مضبوط خاندانی اور معاشرتی نظام کو شعوری یا غیر شعوری طور پر تباہ کرنا چاہتے ہیں' اگر نہیں تو پھر ہم اسلامی جمہوریہ پاکستان کی حکومت اور ٹیلی ویژن کے اعلیٰ حکام سے مودبانہ گزارش کرتے ہیں کہ اگر آپ کو نظریہ پاکستان کا ذرا بھی پاس ہے اور پاکستان سے کچھ بھی محبت ہے تو خدارا مغرب کی گہری سازش کے تحت اس کی ثقافتی یلغار' عریانی اور اناركی کو فروغ دے کر ہمارے خاندانی نظام کو تباہ کرنے کی ناپاک جسارت سے باز آ جائے۔ مبادا ہمیں بھی وہ روز بد دیکھنا پڑے کہ ہمارا معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے اور ہم حسرت سے دیکھتے رہ جائیں اور کچھ نہ کر سکیں۔

اسی پیرائے میں ہم معزز علمائے کرام' اخباری مدیروں اور تمام اہل علم و دانش کو یاد دلاتے ہیں کہ خدارا اسلام کی اس غربت کے دور میں معاشرتی برائیوں' فحاشی و عریانی کے خاتمے کے لئے چراغ مصطفوی اور شرار بولہبی کی اس کشمکش میں برائی کے خاتمے کے لئے فیصلہ کن قدم اٹھائیے' جو کہ ہر مسلمان کا فرض منصبی ہے۔ یاد رکھئے کہ اگر آج ہم نے اس معرکہ خیر و شر میں پیٹھ دکھائی یا سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کیا تو پھر ذلت و رسوائی ہمارا مقدر بن جائے گی کیونکہ اس مادی دنیا میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون چلتا ہے بقول اقبال۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

KHALID TRADERS
IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE
AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

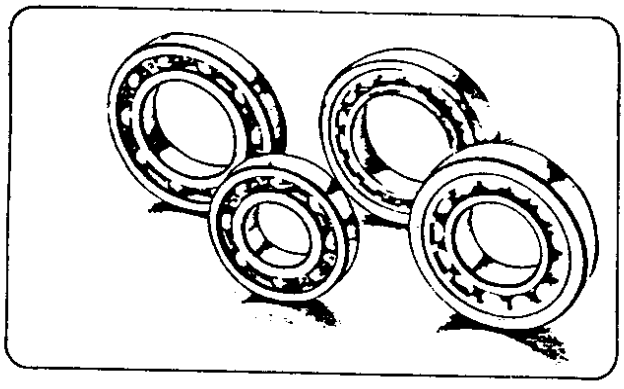

PLEASE CONTACT
TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

ہم نے بحرِ ظلمات میں گھوڑے دوڑا دیئے، خشکی پر جہاز بھی چلائے

سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ کیسے فتح کیا؟

"پاکستان میں اپنی خلافت کا اعلان ہمارے ڈاکٹر بھائی نے کیا ہے"

اقتدار احمد

سیاحتی بجرے میں آبنائے باسفورس کی سیر کے دوران کیا نہ دیکھا' ایک ایک چیز قابل ذکر ہے' ایک ایک منظر یادگار' کس کس کا حال لکھوں!۔ ہاں' چشمِ تصور سے جو تماشا دیکھا' وہ آپ کو بھی دکھا دیتا ہوں۔ فلکِ پیر نے بھی ایسے مناظر کتنے دیکھے ہوں گے؟۔

ہم باسفورس میں گھلنے والے تنگ سی خلیج "گولڈن ہارن" کے دہانے کو عبور کرتے ہوئے بحرِ مرمرہ کی جانب رواں ہیں۔ ٹھیک یہی جگہ ہے جہاں ۱۴۵۳ء میں ایک محیر العقول واقعہ پیش آیا۔ ۲۱ سالہ نوجوان سلطان محمد ثانی کی افواج باز نطینی عیسائیوں کے عروس البلاد قسطنطنیہ کے سامنے آبنائے باسفورس کے ایشیائی کنارے پر صف آرا تھیں لیکن ان کے مقابل دشمن کے قلعے کی مضبوط ترین فصیل اور اس پر مستزاد تیراندازوں کے دستے' منجنیقوں کی قطاریں اور سنگین دمدموں میں محفوظ آگ اگلنے والی توپیں ہی نہ تھیں بلکہ درمیان میں وہ آبِ رواں بھی تھا جس پر آج ہمارے بجرے کو اٹکھیلیاں سوجھ رہی ہیں۔ سلطان کی بحریہ بحرِ مرمرہ میں باسفورس کے دہانے سے ذرا اوپر اس بات کی منتظر کھڑی تھیں کہ دشمن کے جن جہازوں نے آبنائے باسفورس کی پوری چوڑائی کو روک رکھا ہے' وہ کوئی موقع دیں تو باسفورس میں داخل ہو کر گولڈن ہارن کی خلیج میں گھس جائیں جہاں سے قسطنطنیہ پر یلغار آسان ہوگی کیونکہ شہر کے اس جانب دفاعی انتظامات اتنے مضبوط نہیں' خود خلیج کی "خندق" کو ہی کافی سمجھا گیا تھا۔

سلطان محمد ثانی کا گرم خون جوش مارتا اور وہ بار بار باز نطینیوں کے جہازوں کی دفاعی لائین توڑنے کی نئی سے نئی منصوبہ بندی کرتا رہا لیکن اپنے جہاندیدہ و تجربہ کار امیر البحر کے سامنے پیش نہ چلتی جس کے پیراک یہ خبر لائے تھے کہ جہازوں کی پشت پر دشمن نے لوہے کی ایک بہت موٹی زنجیر پانی کی سطح سے ذرا نیچے باسفورس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک تان رکھی ہے۔ اس زنجیر کو توڑنا ممکن تھا نہ کاٹ ڈالنا۔ بے بسی کے اس عالم میں سلطان نے ۵۲ دن قسطنطنیہ پر نظریں گاڑے گزارے اور ۵۱ راتیں خواب تک میں یہ سوچتے بسر کیں کہ "یہ فصل امیدوں کی ہمدم اس بار بھی غارت جائے گی؟۔" اگلی صبح وہ ایک نئے عزم کے ساتھ بیدار ہوا۔ اس کے زرخیز ذہن نے ایک نئی تجویز کا خاکہ مرتب کر لیا تھا۔ گولڈن ہارن کی خلیج تک پہنچنے کے لئے باسفورس کا آبی راستہ مسدود تھا' سلطان محمد ثانی نے اپنے جہاز خشکی پر چلانے کا فیصلہ کیا۔ اس کے جہاز جہاں لنگر انداز تھے وہاں سے خلیج تک براہ راست تقریباً تین کیلو میٹر (دو میل کے لگ بھگ) کا فاصلہ تھا لیکن ظاہر ہے کہ دشمن کی نظروں سے بچنے کے لئے کچھ پھیر بھی ڈالا گیا ہوگا۔ اس پوری لمبائی میں لکڑی کے تختے بچھائے گئے جن کے نیچے زمین کی سطح بھی ہموار نہ تھی بلکہ خاصی ہی اونچی نیچی تھی۔ ان تختوں پر چربی کے لیپ سے پھسلن پیدا کی گئی اور ایک ہی رات میں سلطان کی بحریہ نے اپنے جنگی جہاز بحرِ مرمرہ سے اس زمینی راستے کے ذریعے کھینچ کر خلیج میں لا کھڑے کئے۔ صبح کو بے فکری کی نیند لینے کے بعد اہلِ قسطنطنیہ کی آنکھ جو کھلی تو کھلی کی کھلی رہ گئی۔ خلیج کی طرف سے پہلے ہی ہلے میں دار السلطنت فتح ہو گیا' باز نطینیوں کا غرور خاک میں ملا دیا گیا تھا' ان کا افتخار اس ۲۱ سالہ نوجوان کے قدموں تلے روندا گیا جو کل تک سلطان محمد ثانی تھا اور آج کے بعد سلطان محمد فاتح کے نام سے تاریخ کا حصہ بنا۔

باسفورس کی سیر سے فارغ ہو کر واپس اپنے ہوٹل پہنچے اور ظہر و عصر کی نمازیں ادا کر ہی پائے تھے کہ کوچ کا نقارہ پھر بجنے لگا۔ اب ہمیں آئی ایم اے کنونشن کی آخری تقریب کے لئے دیوان ریستوران جانا تھا جو باسفورس ہی کے کنارے ایک پُر فضا اور اتنے بلند مقام پر واقع ہے کہ نگاہیں دور دور تک مار کر سکتی ہیں۔ لگژری بسوں میں سوار ہو کر وہاں پہنچے تو عجب سماں تھا۔ شاہی ضیافتیں (بینکوئٹ) میں نے ٹی وی کے خبرناموں میں تو دیکھی ہیں' سچی بات ہے کہ ایسی کسی محفل میں شرکت کا موقع کبھی نہ ملا تھا۔ ہم فقیروں نے صحافت کے کوچے کو بھی عین اس وقت چھوڑ دیا جب وہ ایوانِ اقتدار کے قرب و جوار میں پہنچ گیا تھا۔ ذرا دُور اور چلتے تو سرکاری تقریبات اور بیرونی دوروں میں سے بھی حصہ رسدی تو ضرور ہی ملتا لیکن نہ اس وقت آرزو کی اور نہ بحمد اللہ اب کوئی حسرت ہے۔ اندازہ ہوا کہ ان رسمی عشائیوں میں آدمی کے پیٹ میں اُترنے والے مال کی قیمت بالفرض اگر دس روپے ہو تو اس کے اہتمام اور ٹیپ ٹاپ پر کم سے کم سو روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔ اسراف و تبذیر کے ان چونچلوں کا کہیں حساب نہیں ہوگا؟۔

مغرب کی نماز باجماعت پڑھنے کے لئے جو وسعت درکار تھی' وہ اس تختۂ چمن پر میسر نہ ہو سکتی تھی جس پر بینکوئٹ کے لئے بڑی بڑی لدی پھندی گول میزیں قرینے سے سجی ہوئی تھیں اور ایک جانب "مینا" نے بھی اپنا ایک شامیانہ نصب کر رکھا تھا لہٰذا اگلے ہموار تختۂ زمین کے لئے اُور اوپر چڑھنا پڑا۔ پہلی چڑھائی بسوں میں ہوئی تھی' اس تھوڑی سی بلندی کو پیدل سر کیا تو سانس بُری طرح پھول گیا تھا اور پہلی رکعت کے اختتام تک بمشکل معمول پر آیا۔ دیوان ریستوران کی اس مخصوص "لوکیشن" (Location) کا جو استعمال ہم کر رہے تھے' وہ

یہاں کب اور کیسے سُوجھا ہوگا۔ اس کا شایانِ شان اور برمحل استعمال تو یورپی سیاح کرتے ہیں جن کے لئے استنبول میں بالخصوص اس کے کم خرچ بالانشین ہونے کے باعث بے تحاشا دلکشی ہے۔

"مینا" (MYNA) کا ذکر آہی گیا ہے تو تھوڑا سا تعارف بھی ہو جائے۔ یہ شمالی امریکہ کے مسلم نوجوانوں کی ایک تنظیم (Muslim Youth of North America) کا مخفف ہے۔ اپنے اسلام کا شعور اور افتخار رکھنے والے ایشیائی امریکی نوجوان اس عنوان کے تحت کچھ سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے اکثر پاک و ہند سے ترکِ وطن کر کے آنے والے والدین کے ہاں پیدا ہوئے اور امریکہ میں ہی پلے بڑھے ہیں۔ جو لوگ وہاں جا کر وہیں کے رنگ میں رنگے گئے اور اپنی شناخت کھو بیٹھے' ان کی اولادیں تو ظاہر ہے کہ مقامی معاشرے میں گم ہو کر رہ گئی ہیں۔ ہر کہ در کانِ نمک رفت' نمک شد۔ تاہم جن تارکینِ وطن نے "اس کی گلی میں" جا کر بھی "دین و دل عزیز" رکھنے کی کوشش کی ہے' ان کے بھی سب نہیں بعض بچوں کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ وہ کسی احساسِ کمتری کا شکار نہیں ہوتے' اپنے اسلام کا زور شور سے اعلان کرتے ہیں اور عالی مستقبل کو اپنے دین سے وابستہ سمجھتے ہیں۔ زمانۂ طالب علمی میں ان کا جوش و جذبہ دیدنی ہوتا ہے۔ کھانے کمانے کے دور میں داخل ہونے کے بعد ان کا کیا حال ہوگا' یہ دیکھنا باقی ہے کیونکہ اپنی نوع کی یہ پہلی ہی نسل ہے جو ان دنوں بلوغت کو پہنچ کر میدانِ عمل میں اُتر رہی ہے۔ "دیکھیں' کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک"۔

دیوان ریستوران کے سبزہ زار میں ایک جانب "مینا" کا کیمپ تھا جس کے اپنے ڈاکٹر والدین کے ساتھ آنے والے سرگرم کارکنوں نے وہاں ایک نمائش کا اہتمام کیا تھا۔ نوجوان لڑکے (اور معدودے چند نوجوان بچیاں بھی جو "مغربی حجاب" میں تھیں یعنی چہرہ بہر صورت کھلا رہتا ہے) بالخصوص ترک ڈاکٹروں کو چارٹوں اور سلائیڈوں وغیرہ کے ذریعے اپنی کارکردگی اور سرگرمیوں کی تفصیل بتا رہے تھے۔ اس افتتاحی تقریب میں انہوں نے سٹیج سے کورس میں ایک رجزیہ نظم بھی بزبانِ انگریزی پیش کی جس کے انداز کو حاضرین نے پسند کیا اور کھل کر داد بھی دی۔ کنونشن کے منتظمین نے انتظامات پر اظہارِ اطمینان کے ساتھ اپنی اپنی باری پر ایک دوسرے کو ہدیۂ تبریک پیش کیا اور پھر سٹیج سے برادر محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے مختصر تعارف کے بعد اعلان کیا گیا کہ اب وہ اس کنونشن کا کلیدی خطبہ (Keynot Speech) دیں گے جس کا عنوان "عصرِ جدید میں نظامِ خلافت کا سیاسی ڈھانچہ" (Political Structure under the system of Calliphate in modern times) ہے۔ کھانے کے کورس ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ پانی' کوکا کولا اور "ایرن" جیسی "غیر روائتی" چیزیں پینے کے لئے ہمارے ہاں کی طرح کے گلاس تو کسی بھی اچھے ریستوران میں آج تک نہ ملے

سلطان محمد فاتح کی مہم کا محیر العقول واقعہ جس کے نتیجے میں قسطنطنیہ فتح ہوا اور خلافتِ عثمانیہ کی بنیاد رکھی گئی اس نقشے کو دیکھے بغیر سمجھا نہیں جا سکتا۔

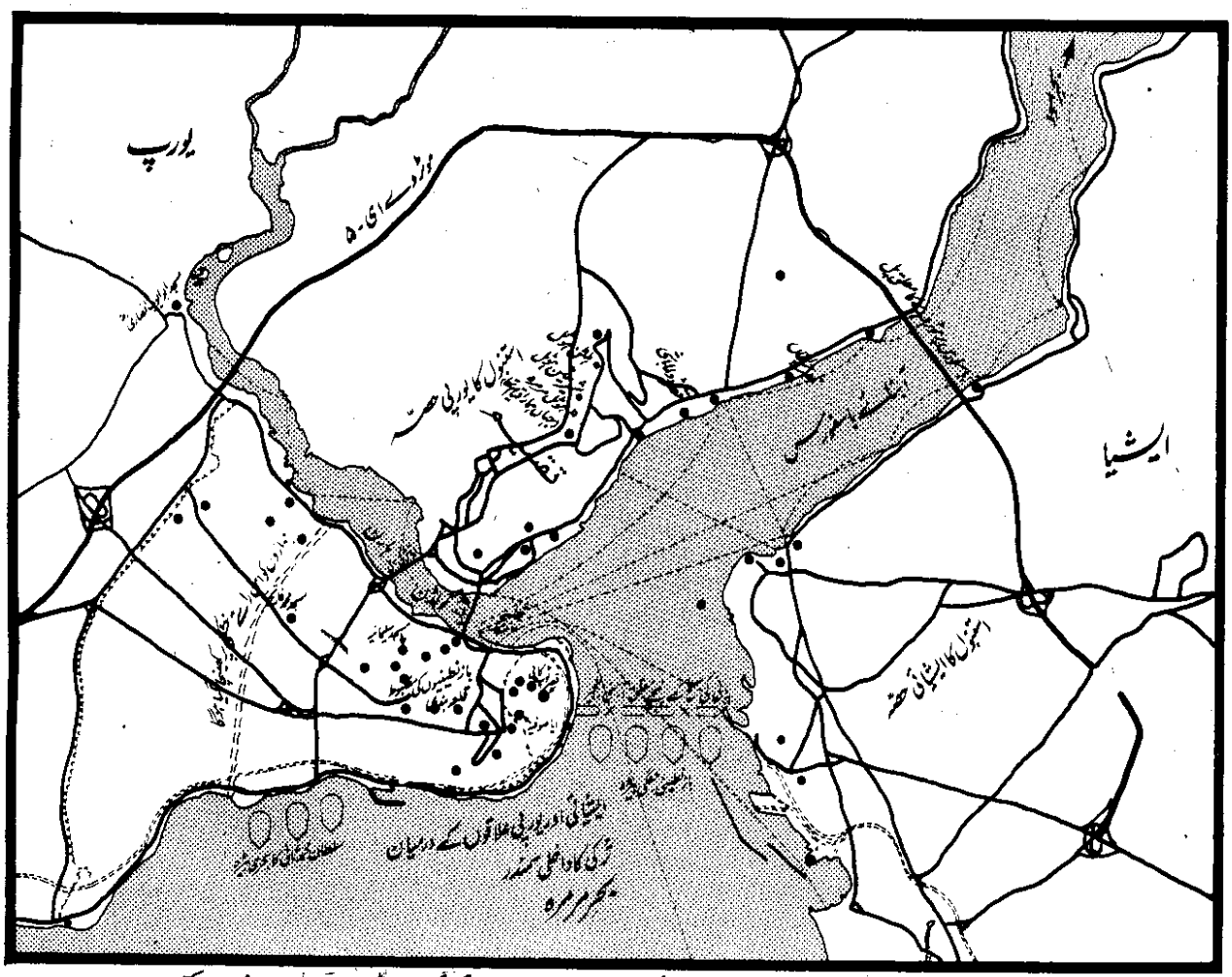

تھے' یہاں کے بلوریں جام و ساغر پر بہت ترس آیا۔ ہائے آج بے چاروں کا پالا کن بدذوق لوگوں سے پڑ گیا ہے۔ ہیروں کی چمک کو ماند کر دینے والے ان بیش قیمت ظروف میں تو ایسے شعلوں کو بھڑکتا ہونا چاہئے تھا جو خرمنِ ہوش و خرد کو بھک سے اڑا کر رکھ دیتے ہیں۔ ورنہ کم سے کم سرور آور شمپین ہی ہوتی' کسی خاص الخاص ماہر فن کے تیار کردہ نسخے کے مطابق متعین اجزاء سے بنی شمپین جس کی اصل خوبی نشے کے دھیمے پن میں ہوتی ہے!۔ یہاں ان میں پانی کی بوتلیں خالی کی جا رہی ہیں اور اس پہ قیامت یہ بھی کہ قلقلِ مینا کی موسیقی کے بجائے فضا کے سینے کو اما بعد' فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم' بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد آیاتِ قرآنی کی پاٹ دار آواز چیر پھاڑ رہی تھی۔

ندائے خلافت کے قارئین کو تو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے وہاں اپنے اس خطاب میں کیا فرمایا ہوگا۔ سامعین میں مسلمان امریکی ڈاکٹروں اور ان کے اہل و عیال کے علاوہ ترک ڈاکٹروں کی تعداد بھی غیر معمولی طور پر زیادہ تھی۔ ٹھیک سے یاد نہیں' عین ممکن ہے کہ وہ اس عشائیے کے میزبان ہوں۔ وہ فاضل مقرر کے بیان میں بار بار آنے والے قرآن و حدیث کے عربی متن پر تو جھینپ سے جاتے' انگریزی بھی بس واجبی سی سمجھ پا رہے تھے۔ ہائے ہائے اور ہیلو ہیلو والی انگریزی سے بول چال میں گزارا ہو جاتا ہے لیکن دین و سیاست کی یہ علمی باتیں ان کے سروں پر سے ہی گزرتی رہیں۔ خلافہ' عثمانیہ' ترکان عثمانی' ۱۹۲۴ء اور اتاترک کے ذکر پر البتہ وہ چونک اٹھتے۔ ہمارے ان میزبانوں میں سے کس نے کیا سمجھا' یہ جاننے کا کوئی ذریعہ تو ہمارے پاس موجود نہ تھا تاہم ایک اندازہ جو خود مجھے حاصل ہوا اس میں آپ کو شریک کئے لیتا ہوں۔

ایک ادھیڑ عمر ترک ڈاکٹر نے بڑی دور سے مجھے تاکا' مقرر کی طرح کا دوسرا آدمی حاضرین میں یہ خاکسار ہی تھا۔ میری میز پر آٹھ دس حضرات اور بھی تھے' بیشتر پاک و ہند نژاد اور کچھ عرب بھی لیکن ظاہر ہے کہ سب کلین شیو اور سوٹ ٹائی میں ملبوس تھے۔ سیاہ قراقلی اور شیروانی میں بھرواں لمبی داڑھی والا ایک شخص سٹیج پر مائیک کے پیچھے تھا اور دوسرا ذرا کم لمبی داڑھی والا یہ ناچیز جس کا ڈاکٹری سے بس اتنا رشتہ ہے کہ ابتدا میں کچھ عرصہ اپنے بھائی کے کلینک میں ڈسپنسر کی ڈیوٹی انجام دے چکا ہے۔ ترک ڈاکٹر لپ جھپ چال چلتا ہماری میز کی طرف آیا' میرے کئی ساتھیوں سے گرمجوش مصافحہ کیا اور پھر یہ کہتے ہوئے میرا ہاتھ تو دبوچ ہی لیا کہ ----- "یہ تو بڑی اچھی خبر ہے کہ پاکستان میں اپنی خلافت کا اعلان ہمارے ایک ڈاکٹر بھائی نے ہی کیا ہے؟"۔OO (باقی باقی)

بقیہ : اداریہ

یعنی جناب نواز شریف صاحب کی وزارتِ عظمیٰ میں بھی جاری رہا۔ فرق صرف رفتار میں پڑا جو پیپلز پارٹی کے دوبارہ برسراقتدار آنے کے بعد کچھ زیادہ ہی تیز ہو گئی ہے۔ ہمارے موجودہ حکمران طبقے کو اپنی منزل سے ہمکنار ہونے کی کچھ بہت ہی جلدی ہے جس نے ٹھان لی ہے کہ "تیز ترک و گامزن' منزل ما دُور نیست"۔

یہ منزل سیکولرازم ہے۔ انفرادی و اجتماعی طور پر ہمارا معاشرہ بتدریج اسی کی طرف رضاکارانہ بھی بڑھ رہا ہے۔ پی پی پی اپنے مخصوص مزاج کے تقاضوں کو پورا کرنے کی غرض سے زیادہ تیزی سے یہ کام کر رہی ہے کیونکہ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد "نیو ورلڈ آرڈر" کے اصل منصوبہ سازوں کا منشاء یہی ہے۔ پارٹی کے کلچرل ونگ کے انچارج جناب فخر زمان ترقی پسند خواتین و حضرات کے جلو میں ایک جلیل القدر سرکاری عہدے کی خلعت زیب تن کئے نمودار ہوئے ہیں جو علم و دانش' تاریخ و ادب اور تہذیب و ثقافت کے میدانوں میں وہی نقشہ جمانے کی کامیاب کوشش کرتے نظر آتے ہیں جو مغرب میں رائج اور بالخصوص صیہونیت کو مطلوب ہے۔ اقوامِ عالم کو اخلاق و کردار کے بحران میں مبتلا کر کے اپنے لئے تر نوالہ بنانا یہود کے ناپاک منصوبے کا اہم حصہ ہے جس کی اس ملکِ خداداد میں تکمیل کا مشن فخر زمان صاحب کو سونپا گیا ہے۔ اگلے دن انہوں نے وضاحت فرمائی کہ پاکستان مذہب کی بنیاد پر وجود میں نہیں آیا تھا۔ برصغیر کی ثقافتی تاریخ اور ملک میں زیرِ استعمال نصابِ تعلیم کی "تدوینِ نو" کا بیڑا بھی انہوں نے اٹھا لیا ہے اور ظاہر ہے کہ مقصود ان چیزوں کو نظریۂ پاکستان نامی "منافقت" سے پاک صاف کر دینا اور معاشرے کو شرم و حیا اور عصمت و عفت جیسے "ڈھکوسلوں" سے نجات دلا دینا ہے۔

ہم جناب خالد احمد کھرل اور فخر زماں صاحب کے "ملفوظات" پر تو ضرور احتجاج کریں گے اور انہیں یہ بتانا بھی ضروری جانتے ہیں کہ اس ملک میں صرف "ایک طبقہ" نہیں بستا' کچھ دوسرے طبقات کا وطن بھی یہی پاکستان ہے جن کی ترجیحات "ایک طبقے" کی پسند و ناپسند سے مختلف ہو سکتی ہیں تاہم ان کا یہ احسان بھی ماننے ہیں کہ انہوں نے بات صاف کر دی۔ "نکل جاتی ہو جس کے منہ سے سچی بات مستی میں' فقیہِ مصلحت بیں سے وہ رندِ بادہ خوار اچھا"۔ اب انگریزی محاورے کے مطابق گیند دوسرے طبقات کے کورٹ میں ہے' انہیں یہ فیصلہ کرنے کی ضرورت فی الواقع لاحق ہو گئی ہے جو لاناً شعوری بھی ہونی چاہئے کہ انہیں کس سمت اپنا رخ کرنا ہے' ادھر جدھر پیپلز پارٹی انہیں لے جانا چاہتی ہے یا اس طرف کو جس کا تعین انہوں نے "پاکستان کا مطلب کیا' لا الٰہ الا اللہ" کا نعرہ لگا کر اور پھر قرارداد مقاصد کو دستور ساز اسمبلی سے پاس کروانے کی شکل میں کیا تھا۔ قوم کی حمیتِ ملی اور غیرتِ دینی کو لگائے جانے والے یہ کچوکے جو موجودہ حکومت کی طرف سے پے در پے ایک تسلسل سے لگائے جا رہے ہیں تبھی ایک نعمتِ غیر مترقبہ بن سکتے ہیں جب ہمیں اپنی ترجیحات کا شعوری جائزہ لینے پر مجبور کر دیں۔ شر میں سے خیر اسی طرح برآمد ہوا کرتا ہے کیا ہم اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار ہیں' کوئی تیاری کر بھی رہے ہیں؟۔OO

بقیہ : کتاب نامہ

کتاب میں درج ہے اور اس میں ہمارے لئے عبرت کا بہت کچھ سامان موجود ہے۔

گفتگو ختم کرنے سے قبل اپنی اس کوفت کا تذکرہ کرنا بھی شاید نامناسب نہ ہوگا کہ جس کی تلخی سے کتاب کے مطالعے کے دوران مسلسل شاد کام ہونا پڑا۔ کمپوزنگ اور املا کی بعض اغلاط بھی اگرچہ طبیعت کو بدمزہ کرتی رہیں لیکن Punctuation کا سرے سے مفقود ہونا فی الاصل کوفت کا باعث بنا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ فل اسٹاپ اور کومہ وغیرہ سے کتاب کو پاک رکھنے کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ مجھ جیسے عامی انسان کے لئے Punctuation کے بغیر کتاب کا پڑھنا اچھا خاصا امتحان تھا۔ میں توقع کرتا ہوں کہ اس کے پبلشر آئندہ ایڈیشن میں اس کمی کی تلافی کا ضرور خیال رکھیں گے۔

آخر میں فاضل مصنف کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے صومالیہ کے حالات سے براہ راست آگاہی حاصل کرنے کے لئے ایک پرخطر سفر کی صعوبت برداشت کی اور ہماری سہولت کے لئے اپنے مشاہدات اور حاصل کردہ معلومات کو ایک مبسوط

their old system.

PAKISTAN, TANZEEM-E-ISLAMI AND KHILAFAT MOVEMENT:

Shafi: How would you respond to the present political chaos and socio-economic degeneration.?

Dr. Israr: The political and economic situation and the moral values are passing through a process of degeneration and deterioration. We need to bring about revolutionary changes in the whole socio-political and economic situation of the country. The parliamentary form of Government has utterly failed in Pakistan. It needs to be replaced by a presidential form of Government, whereby a person elected by the popular vote should not be at the mercy of the parliament to rule the country for the designated period of time. In a similar way the economy has to be cleaned of the curse of "Riba" and the social system has to be restructured with the elimination of "Zamindari System".

Shafi: In Pakistan the whole political system and social structure is dominated by the landlords. One who speaks or acts against them finds it hard to survive. Even Nawaz Sherif's fall is attributed to his act of distribution of land in poor Harees of Sindh. With this background in mind how are you prepared for your struggle.

Dr. Israr: Tanzeeem-e-Islami is a revolutionary party. We are neither going to Zameendar nor Sarmayadar. We are appealing to the general masses. Once they are united and stand for one purpose they become more powerful than the forces you mentioned.

Shafi: In Pakistan the rate of literacy is on the decline, hardly 15% of the population can read your books and your philosophical pursuits can hardly be understood by the common man. How far can your message reach the masses?

Dr. Israr: It is true that the rate of literacy is on decline. That is in fact another proof of the failure of a system. But we are not depending only on books. As a matter of fact a better part of our work is verbal and visual. We are spreading as you mentioned.

Shafi: Do you think that the same conditions exist in Pakistan as those of Iran conducive to an Islamic revolution ?

Dr. Israr: No, it is at least ten times more difficult in Pakistan than Iran. But whenever it is going to happen it will be a true revolution, as we have plans to bring about fundamental changes in all aspects of social, political and economic systems of the country.

Shafi: Your party is based on the concept "BAYET", obedience to one person within the limits of the guidance of Quran and Sunnah. Do you have a process through which members of your party can have a say in the affairs of the party?

Dr. Israr: Yes, we do have mutual consultation. A leader who means business has to listen to his workers, but we don't make decisions by counting heads. We make decisions through a process of consultation and consensus i.e 'SHOORA' , as Quran says:

"Amrahum Shoora bainahum"

your matters should be decided by consultation.

Though we don't make decision by counting vote for all practical purposes the majority plays a vital role in the process of decision making.

Shafi: How the responsibilities are assigned to the members of your party at different levels?

Dr. Israr: I appoint them. But I have to see who is best suited to do a certain job. It is vital for the party to have a right person in the right place.

Shafi: The movements and the parties are never created for one generation. You have to have a process by which a leader can be replaced by another.

Dr. Israr: Not in my life time. Actually a revolution is brought about through a revolutionary struggle which has to be different from a political party. For such a struggle you need a "DAEE" a man who invites to people. People who accept his ideas gather around to achieve the objectives based on those ideas. This forms a revolutionary party striving for the revolution based on the ideas floated by the "DAEE".

کتاب کی صورت میں ڈھال دیا۔ ورنہ بین الاقوامی خبر رساں ایجنسیوں کے جانبدارانہ رویئے کے پیش نظر یہ ممکن ہی نہ تھا کہ ہم صومالیہ کی صورتحال سے صحیح طور پر آگاہ ہو سکتے۔ رفیق ڈوگر صاحب اس کاوش پر بلاشبہ داد و تحسین کے مستحق ہیں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔OO

بقیہ : انٹرویو نعیم صدیقی

کیا جائے۔ کراچی کا مسئلہ جان بوجھ کر خراب کیا جا رہا ہے۔ جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ عوام آپس میں لڑتے رہیں اور وہ اپنے حقوق کی بات نہ کر سکیں۔ ان حالات کی ایک بہت بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ پورے ملک میں اقلیتوں کو حقوق دیئے جا رہے ہیں۔ قادیانی' اسماعیلی' سکھ' ہندو' عیسائی بلکہ اب تو یہودی بھی اپنے مذہب کا پرچار کر رہے ہیں۔ ہمارے ملک کی تمام سرحدیں اقلیتوں کے پاس ہیں۔ جس کی مثال یہ ہے کہ اسماعیلیوں نے گلگت پر بھی قبضہ کر رکھا ہے اور کراچی کے مالک بھی بنے ہوئے ہیں جبکہ پورا سندھ ہندوؤں کے قبضے میں ہے۔ ایسے میں اگر تمام اقلیتیں مشترکہ تحریک چلائیں تو اسے روکا نہیں جا سکے گا لہٰذا پاکستان کی تمام جماعتوں کو اکٹھے ہو کر پاکستان کے داخلی و خارجی مسائل کے حل کے لئے مشترکہ رائے اپناتے ہوئے عملی جدوجہد کرنی چاہئے کہ اس سلسلہ میں تحریک فکر مودودی ہر اس جماعت کا ساتھ دے گی جو ملک کو صحیح اسلامی' فلاحی مملکت بنانے کی کوشش میں مصروف ہو گی۔

☆--- مسئلہ کشمیر پر حکومتی پالیسیوں کے نتائج کیا مرتب ہوں گے؟

O--- مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے موجودہ حکومت بزدلی سے کام لے رہی ہے اور پاکستانی حکومت کشمیر پر خاطر خواہ حمایت حاصل کرنے کی بجائے برادرانہ تعلقات والے ممالک کے تعاون سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی ہے جو خارجہ پالیسی کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کشمیر کی آزادی کے لئے حکومتی سطح پر جہاد کا اعلان کرنا چاہئے اور نوجوانوں کو جہاد کی تربیت دینے کے لئے حکومت کو کوچنگ سنٹر کھولنے چاہئیں۔OO

بے پردہ نظر آئیں جو کل چند بی بیاں
اکبرؔ زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے بی بیوں پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

Dr. Israr: Of course this is a very important question and its answer is open to many hypothetical propositions and theories based on different schools of thought. One of these is based on the theory of a western historian. He says that nations and cultures also behave like individuals. They are born, become young and powerful, get old and decay. So on the basis of this theory we were young and powerful for about a thousand years, then came the old age, now passing through a period of decay, where after a rebirth of a strong and vibrant nation seems almost eminent. This is one way of looking at the history of a nation, but this is a superficial answer. The real causes are deeper and demands awareness of history based on Quranic insight. Quran gives the concept of Ummah based on revealed knowledge. Bani Israel is the first Ummah created with the specific responsibility to spread the message of God to the rest of the world. As long as they fulfilled their responsibilities the Nation of Bani Israel was enormously and splendidly rewarded with honor and leadership of the world. Whereas the same nation when it turned its back to the message of God and faced severe punishment in the form of humiliation and disintegration.

Muslims are the second Ummah created on the basis of revealed knowledge and now it remains our duty to spread the message of God to the rest of the world. So the same divine law of reward and punishment applies to us. So long as we remained on the right path we were bestowed with the leadership of the world which spread over a period of one thousand years. For the last many centuries despite many verbal claims we have practically turned our back to the message of God. Thus, clearly we are being disintegrated and humiliated as a punishment by God.

Though the prevailing conditions are not very encouraging, on the basis of my vision of Quran and Sunnah, I can say for sure that now there is going to be a third renaissance of Islam. Movements based on the Islamic concepts of the Muslim Ummah are active in different parts of the Islamic world. This upsurge will ultimately develop into multiracial and multinational movements. The change is bound to come, it is now only a question of time. Pakistan and Afghanistan seems to be the places from where this process may start.

ISLAM IN THE PRESENT DAY WORLD:

Shafi: During the past few centuries there has been a shift of emphasis from "Huququl-Ibad" to "Huququllah". Islam is being taught as a religion of five pillars and all the teaching of "Amanat, Diyanat, Sadaqat, Husn-e-sulook, Adel and Ehsan" have been totally ignored. How will you respond to this state of affair?

Dr. Israr: It is the result of the degeneration of Islam from the concept of "Deen" to concept of "Mazhub".

Islam is a religion which provides guidance for all walks of life. If you reduce it to "Mazhub" it will automatically become a religion of rituals.

Shafi: Who is precisely responsible for this degeneration?

Dr. Israr: In the words of Abdullah Ibn-e-Mubarak (Taba-e-Tabeyeen), "All corruption in "Deen" comes from three sources, 1) Kings and the rulers 2)Ulema who take this world as their goal 3) Rahibs and the Sufis who profess the purification of soul but are after the materialistic gains. In the words of Iqbal.

In this verse Iqbal has also referred to three things Mullai, Sultani and Peeri.

Shafi: Although the world has gone through tremendous changes, the doors of "Ijtehad", have been closed for centuries for ever.

Dr. Israr: Because there is no need of "Ijtehad". Since Islam is not being taken as a socio-political and economics system and it has been confined to Som and Salah, what is the need of :"Ijtehad" The only need for Ijtehad may be regarding some minor issues such as sighting of moon, etc.

Shafi: So the need of Ijtehad will arise only after the establishment of an Islamic order ?

Dr. Israr: Of course. The real need of Ijtehad will arise when an Islamic order is established. In order to do that we need Jihad not Ijtehad.

Shafi: Islam, in the sub-continent, is victim of a strange phenomenon of Deeni Madaris. First of all the Nisab being taught in these Madaris is about seven hundred year old. It has no reference to the needs of the changing world. Secondly, the students the Muslim society is sending to learn Islam are those who come from remote villages with a below average IQ. Thirdly, the way they are taught, trained and fed is humiliating and disgraceful. As a result of these factors the final product is a man with limited and narrow Islamic knowledge, no understanding of the present day world and devoid of self esteem. And worst of all this man symbolizes Islam for us and the rest of the world. Do you think that such a tragic situation really exits. If so, what is the remedy.

Dr. Israr: Partially you are correct. In the Muslim era the Madaris served the purpose of producing the civil servants, the lawyers, as well as Imams and Khateebs. With the emergence of colonial rule the need of these schools practically vanished. But these schools continued with a limited role of producing Imam and Kateeb, a person who can teach Som and Salah and the issues of Nikah and Talaq. These remained the total domain of these Madaris.

The real responsibility for this state of affairs falls on the shoulders of the politicians and the rulers of Pakistan, who after independence failed to merge the Deeni Madaris and the modern education into one fold. The rulers of Pakistan as Viceroys of the Colonial rulers continued the old colonial education system. So the Deeni Madaris also had no choice but to continue with

Abolish Feudalism in Pakistan

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

"ٹی نیک" (ریاست نیو جرسی) میں لیا گیا ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا انٹرویو جو نیویارک
کے جریدے "دی منارٹ" کی اشاعت ۲۱/ اکتوبر ۹۴ء میں شائع ہوا----

The Minaret, New York, N.Y. - October 21, 1994

Ulema Are Responsible for the Degeneration of Islam

By Shafi Qadri

Teaneck, NJ - Dr. Israr Ahmed's life is symbolic of an untiring search for the panacea of an ailing nation. This search started right from his student life, but he never was satisfied with the existing movements, created new ideas and new organizations. As a medical student he was Nazim-e-Ala of Islami Jamiat-e-Tulba. He joined Jamat-e-Islami in 1954. Founded Markazi Anjuman Khuddamul-Quran in 1972 and became its founding president. In 1975 he started his new party by the name Tanzeem-e-Islami, an organization based on the concept of 'BAYAIT'. Launched Tehrik-e-Khalafat in 1990 and became the "DAEE" of the Tehrik.

During his recent visit to the USA, he delivered a series of lectures on his "Khilafat Movement" at Darul-Islah, Teaneck, NJ. Taking advantage of his presence in the US, I chose to talk to him on a number of problems being confronted by Muslims and the Islamic world.

MUSLIM WORLD:

Shafi: Islam has given a concept of Ummah, crossing all the boundaries of color , race and language, based on One God, one prophet and one Book. Does such an Ummah exist in the present day world?

Dr. Israr: Unfortunately the answer is negative. The Islamic concept of Collective coexistence, unity, equality and justice and for that matter the concept of "Ummah" which means a collection of people aimed at one goal does no more exist any where in the world. They are divided into nations based on regions and languages and subdivided into hundred of nationalities. This is the biggest damage done to the Muslim world by the colonial west.

Dr. Israr Ahmed
Ameer Tanzemn-e-Islami, Pakistan

Shafi: The Colonial rule by the west came to an end more than five decades ago. Did we do anything to recollect ourselves as an "Ummah"?

Dr. Israr: I differ with you that the colonial rule has come to an end in the Muslim World. What we are experiencing in today's world is an end of direct rule by the west. The present state of affairs is no more than the change of faces. The white rulers are replaced by the hand picked agents from among the locals. The countries and the boundaries are those created by the colonial west. Their power to rule and make decisions is no more than that of a viceroy of the west, implanted to carry out their orders and protect their interest, though the center of power has in the present past shifted from Europe to America.

Shafi: Is this situation not worse than having a direct colonial rule? In the colonial rule at least the man on the street was aware of the fact that he is being ruled by the foreigners. But in the present situation they see that the ruler is one of them, what they don't see are the strings behind the ruler being in the hands of someone sitting somewhere in the west.

Dr. Israr: I unequivocally agree with you. But there is a ray of hope as I see a growing awareness of this very fact among the masses, though at present it is limited to the middle class. There are movements in the Islamic world that are striving to bring about this awareness, but the task of Islamic movements has now become even more difficult, mainly because of two reasons; number one, they have to struggle against the rulers who are not foreigners and secondly the Islamic concept of Human rights namely freedom of speech, justice and equality don't exist in these countries. There is also another dark aspect of this situation: some of the Islamic movements lack in correct guidelines, policies and methodologies to carryout such movements and get trapped in the violent struggle which is even more harmful for the movement itself.

Shafi: As an Ummah, Muslims constitute 20% of the world population, we occupy 20% of the land area and posses 66% of the total oil reserves of the world, yet where do we stand in the community of the nations? Probably no where or at best in the row of beggars asking for everything from technology to money. What went wrong with this gigantic nation that happened to rule across three continents with pride and honor?